جلد 23 شمارہ 11 ماہ نومبر 2021ء ربیع الثانی 1443ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

اللہ

محبّت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
info@tauheediyah.com :ای میل Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ❀❀❀ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

نظم

غلامی میں نہ کام آتی ہیں،شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا!
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت ، بادشاہی، علم اشیاء کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں، فقط اِک نکتۂ ایماں کی تفسیریں
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہےتصویریں
تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں ! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دِل چیریں
یقیں محکم ، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
چہ باید مرد را طبعِ بلندے، مشربِ نابے
دلِ گرمے ، نگاہِ پاک بینے ، جانِ بیتابے
(بانگِ درا۔علامہ اقبالؒ)

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

محفل میں وعظ و نصیحت کی ویڈیو ریکارڈنگ ہو رہی تھی تو بابا جانؒ نے اس موضوع پر بات کی۔ فرمانے لگے:

اللہ بھی ہماری ساری ویڈیو تیار کر رہا ہے، ہماری ویڈیو بن رہی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے:

فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَه۔ (سورہ زلزال ۹۹۔ آیت ۷)

ذرہ برابر بھی نیکی کی، تو پڑھے گا نہیں، دیکھے گا۔ دکھائی دے گا۔ فوٹو پیش کر دی جائے گی۔ یہ ہماری فلم ہے۔

وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔ (سورہ زلزال ۹۹۔ آیت ۸)

ذرہ برابر برائی کی ہوگی تو دیکھے گا۔

اگر یہاں ٹیپ ریکارڈ کرتا ہے تو وہ نہیں کرے گا؟ وہ نہیں کر سکتا؟ کرے گا۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔

(سورۃ یٰسین ۳۶۔ آیت ۶۵)

منہ بند کر دیے جائیں گے، یہ پاؤں، یہ ہاتھ گواہی دیں گے۔ یہ (ریکارڈ شدہ ویڈیو) باتیں کرتی ہے تو یہ (ہاتھ، پاؤں) نہیں کر سکتے؟ بندہ کہے گا کہ تم نے کیوں گواہی دی؟ وہ کہیں گے کہ اللہ نے حکم دیا۔ ہر چیز کو گویائی بخشی۔ ہمیں بھی حکم ملا، ہم بھی بول پڑے۔

کہتے ہیں کہ کسی چیز کے بولنے کیلئے زبان ہو، دماغ ہو۔اس (ریکارڈ ہونے والی فلم) میں کون سی زبان لگی ہوئی ہے۔ٹیپ ہے، بولتی ہے ریکارڈ۔یہ بھی بول پڑے گا اللہ کے حکم سے۔ یہ تو ہمارا بنایا ہوا ہے۔اللہ کا بنایا ہوا کیسے کام کرے گا؟ قرآن میں یہ بھی ہے کہ ہم نے ہر شخص کا نامۂ اعمال اس کے گلے میں ڈال دیا ہے۔

وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَآئِرَهُ فِيْ عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَاباً يَلْقَاهُ مَنشُوراً. اقْرَأْ كَتَابَكَ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْباً.

(سورۃ بنی اسرائیل ۱۷۔آیات ۱۳۔۱۴)

اپنی کتاب پڑھ لے، یہ تیرا ریکارڈ ہے، خود ہی پڑھ لے۔تم خود ہی کافی ہو اپنا حساب کرنے کیلئے۔اب بھی تو ایسے ہی ہے۔ایک ریکارڈ یہاں ہو رہا ہے، ایک Central office میں جا رہا ہے۔بنکوں میں یہ Centeralize سسٹم چل پڑے ہیں۔جتنے پیسے یہاں سے نکلواتے ہیں یہ یہاں بھی ریکارڈ ہوتا ہے، اُدھر ہیڈ کوارٹر میں بھی جاتا ہے۔ وہاں بھی ریکارڈ ہوتا ہے کہ فلاں برانچ میں اتنے پیسے جمع ہوئے، اتنے نکل گئے۔اِدھر بھی متعلقہ برانچ میں ریکارڈ ہوتا ہے۔گلے میں بھی جا رہا ہے، کتاب میں بھی لکھا جا رہا ہے۔ اعمال نامہ گلے میں بھی ڈالا جا رہا ہے۔قیامت کے دن ہم نکالیں گے۔

وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَاباً يَلْقَاهُ مَنشُوراً . (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷۔آیت ۱۳)

تب ایک کھلی کتاب کی صورت میں ہوگا کہ آپ بھی پڑھ لیں۔اِدھر ماسٹر کاپی بھی جا رہی ہے، وہاں بھی جا رہی ہے۔

كِتَابٌ مَّرْقُومٌ. (سورة المطففين ۸۳۔آیت ۹) ''ماسٹر ریکارڈ ہے ساری دنیا کا''۔

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ. (سورة المطففين ۸۳۔آیت:۷)

نیک اعمال علیین میں جا رہے ہیں اور برے اعمال سجین میں جا رہے ہیں۔

وَمَا أَدْرَاکَ مَا سِجِّیْنٌ۔ (سورۃ المطففین ۸۳۔آیت ۸)

یہ اللہ کا نظام ہے۔ آج انسان نے بھی ویسے نظام بنا لئے ہیں۔ اس میں تقویت ہوتی ہے کہ آج ہم نے بھی کچھ سسٹم بنا لئے ہیں۔ بہت سے لوگ، یورپین اور دوسرے یہی چیزیں پڑھ کے اسلام کی صداقت پر ایمان لے آتے ہیں۔ حیران بھی ہوتے ہیں اللہ یہ کہ کیسا نظام ہے! یہ تو اللہ نے چودہ سو سال پہلے ایسی باتیں بتا دیں۔ اُس وقت تو یہ آج کا علم موجود نہیں تھا۔

حضرت عمرؓ کا بھی ہے۔ یا ساریۃ الجبل! حضرت عمرؓ منبر پر بیٹھے ہیں، خطبہ دے رہے ہیں، اور یہ بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ خطبہ دے رہے ہیں اور اُدھر میدانِ جنگ کو بھی Monitor کر رہے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ علامہ اقبالؒ بھی فرماتے ہیں کہ

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

یہ راکٹوں سے چاند تارے تسخیر کرتے ہیں۔ اس کے بغیر بھی انہیں تسخیر کرنے کا ایک سامان تیرے پاس ہے۔ وہ تو اس کے بغیر بھی چاند کی سیر کر سکتا ہے۔

اشفاق احمد نے بھی لکھا ہے کہ ہم فرانس میں تھے۔ ایک پروفیسر ہمیں لیکچر دے رہا تھا اس نے کہا کہ ہمارے پاس محی الدین ابن عربیؒ کی اپنی لکھی ہوئی ایک کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ "اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھ پہ جو بے حساب نوازشیں فرمائیں اس میں یہ بھی ہے کہ مجھے چاند کی سیر کرائی۔ اس کی زمین ایسی ہے جس میں ہوا نہیں ہے۔ جس میں پانی نہیں ہے"۔ اس کی Characteristics یہ ہیں۔ اس میں آدمی چھلانگ لگائے تو ۔۔۔ سب کچھ وہ جو سائنس نے بعد میں جا کے دریافت کیا اس کتاب میں وہ لکھا ہوا ہے۔ اس میں

یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ وہاں سورج کے سامنے انگلی کھڑی کرو تو سامنے سے گرم ہو جاتی ہے، دوسری طرف ٹھنڈی رہتی ہے ۔انہوں نے اپنا لکھا ہے۔جس طرف دھوپ ہوگی وہ گرم ہو جائے گا کیونکہ ہوا نہیں ہے۔ Temperature کو Equivalence کرنے کیلئے کوئی سسٹم نہیں ہے۔جدھر دھوپ لگی ہے اس طرف گرم ہے، دوسری طرف ٹھنڈی ہے۔ اس پروفیسر نے کہا کہ ان کی یہ کتاب ہمارے پاس پڑی ہے۔اُس وقت کی باتیں اس میں لکھی ہیں۔ہم نے چاند پر جا کے اب دیکھا ہے۔یہ اشفاق احمد نے لکھا ہے۔علامہ اقبالؒ نے اسی کا کہا ہے کہ

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

اس کے بغیر بھی جا سکتے ہیں چاند کی طرف، سیر کر سکتے ہیں۔

ہمارے قبلہ انصاری صاحبؒ ایک دفعہ پشاور گئے ہوئے تھے۔بنوں سے وہ آئے ہوئے تھے۔گرم موسم تھا۔کہنے لگے چلو۔اِدھر ایک سٹیڈیم ہے چمن کا۔کہنے لگے کہ چلو چمن میں بیٹھتے ہیں۔عصر پڑھی، وہاں بیٹھ گئے۔ایسے ہی Space کی بات چلی تو کسی نے پوچھ لیا کہ باباجی! آپ نے بھی کبھی Space کی سیر کی ہے؟ کہنے لگے کہ بہت زیادہ تو نہیں دیکھا۔ایک دو سیارے ہی دیکھے ہیں ۔مریخ دیکھا تھا۔اللہ نے مریخ دکھایا کہ مریخ کیسا ہے۔اس میں فرمایا کہ جو کچھ زمین سے اُگتا ہے اُدھر اس کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔جیسے ہماری جو چیز اُگتی ہے وہ سبز ہوتی ہے، وہاں جو کچھ زمین سے اُگتا ہے سرخ ہوتا ہے۔مطلب ہے کہ وہاں پیداوار سب کچھ ہے۔

ایثار و ہمدردی اور اسلام

(پیر خان توحیدی)

ایثار و ہمدردی یعنی دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا، دوسروں کے غم اور دکھ میں شریک ہونا، اپنی ضرورت سے دوسروں کی ضرورت کو مقدم جاننا اور دوسروں کے فائدہ کیلئے اپنے فائدہ کو قربان کر دینا، اسلامی معاشرتی تعلیم میں سے ہے۔ معاشرہ کے اجتماعی نظام کے استحکام اور بقاء میں اس کا بڑا عمل دخل ہے اسلامی معاشرہ کی تاریخ میں ایثار اور ہمدردی کے بڑے عجیب واقعات ملتے ہیں۔

قرآن مجید فرقان حمید کی سورہ حشر آیات نمبر 7 تا 10 میں ایثار اور ہمدردی کے بارے میں اللہ رب العزت یوں فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دیں، لے لو اور جس سے روکیں، رُک جاؤ۔ اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً! اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''

ان آیات میں یہود پر دنیا میں جلاوطنی کی سزا اور آخرت کے عذاب کا ذکر ہے اور قصہ ان یہود کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو وہاں کے انصاریوں نے آپ ﷺ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور خوشی سے نہال ہو گئے، لیکن یہودیوں کو یہ بات پسند نہ آئی جسے آپ ﷺ نے پیغمبرانہ فراست سے جان کر

ان سے صلح کا معاہدہ کرلیا، یہودیوں کے ایک قبیلہ بنونضیر نے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد معاہدہ توڑ دیا اور آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش بنائی۔ آپ ﷺ کو فوراً بذریعہ وحی یہ سازش معلوم ہوگئی آپ ﷺ نے ان سے کہلا بھیجا کہ تم نے عہد شکنی کر کے صلح توڑ دی ہے اس لیے دس دن کی تمہیں مہلت دی جاتی ہے، جہاں چاہو چلے جاؤ۔ اس مدت کے بعد جو بھی شخص یہاں نظر آیا اس کی گردن ماردی جائے گی۔ انہوں نے جب یہ حکم بھی نہ مانا تو آپ صحابہ کرام ؓ کے ساتھ اس قبیلہ پر حملہ آور ہوئے، اگر چہ یہ ایک طاقتور قبیلہ تھا اور اس کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا وہ مسلمانوں کی طاقت نہیں تھی بلکہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اپنے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ ؓ کا اتنا رعب ڈالا کہ یہ بغیر کسی مزاحمت اور لڑائی کے جلاوطن ہوکر شام کی طرف بھاگ گئے۔ ان کا چھوڑا ہوا مال واسباب ''فے'' کا مال کہلاتا ہے اور فئی کا مال وہ مال ہوتا ہے جو بغیر جنگ وجدل اور بغیر گھوڑے اور اونٹ دوڑانے کے مسلمانوں کے ہاتھ آتا ہے یہ ان مہاجرین اور مسکینوں کیلئے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلبگار ہیں اور ان کیلئے جنہوں نے مدینہ میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اس طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ انہیں اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں کہ خود کو کتنی سخت حاجت کیوں نہ ہو! بات دراصل یہ ہے کہ جو بھی اپنے نفس کی حرص سے بچ گیا وہی کامیاب اور بامراد ہے۔

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کے ایثار اور ہمدردی کی بڑی تعریفیں فرمائی ہیں کیونکہ یہ ایک ایسا عمل ہے کہ اس میں دوسروں کو آرام پہنچانے کی خاطر

اپنے آرام کو چھوڑنا پڑتا ہے، اپنے دکھ درد کو بھول جانے اور دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہوجانے کا نام ایثار ہے۔خود بھوکا ہونے کے باوجود اپنا کھانا دوسروں کو کھلا دینا دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھنا، ایثار اور ہمدردی کہلاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اسی ہمدردی اور ایثار کا ذکر فرمایا ہے کہ جب یہ مہاجرین اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ آئے تو انصار نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اپنے گھر دیے، اپنے باغ دیئے، کھیت دیئے ،اپنی محنت مزدوری کی کمائی میں انہیں شریک کیا اور خود ہر طرح کی تکلیفیں اُٹھا کر ان کو آرام پہنچایا۔ حتیٰ کہ زیادہ بیویاں رکھنے والے انصاریوں نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دے کر اس کا نکاح اپنے مہاجر بھائی سے کرادیا۔

جب بحرین کا علاقہ فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے انصار کو بلا کر فرمایا میں اس مفتوح علاقہ کو انصار کی جاگیروں میں تقسیم کر دینا چاہتا ہوں لیکن ان ایثار کے پیکروں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ !جب تک ہمارے ان مہاجرین بھائیوں کو بھی اتنا ہی حصہ نہ ملے گا ہم کو یہ منظور نہیں یہ ایک اور ایثار کی مثال ہے، جو ہمیشہ کیلئے انصار کی ہمدردیوں اور قربانیوں کو زندہ و تابندہ رکھے گی۔

بخاری شریف کی ایک حدیث یوں بیان کرتی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں سخت بھوکا ہوں مجھے کچھ کھانا کھلا دیجئے۔ آپ ﷺ نے اپنے گھر آدمی بھیجا تا کہ کچھ کھانا لے آئے ،لیکن تمام گھروں سے یہی جواب ملا کہ پانی کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں، یہ سن کر آپ ﷺ نے حاضرین اصحابؓ سے فرمایا کہ کوئی ہے جو میرے مہمان کو اپنا مہمان بنائے اور اسے کچھ کھانا کھلائے۔حضرت ابوطلحہؓ

انصاری نے عرض کی حضور! میں انہیں اپنا مہمان بناؤں گا۔ وہ مہمان کولیکر گھر گئے اور بیوی سے کہا دیکھو یہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان ہیں۔ آج ہمیں کھانا کچھ نہ ملے لیکن یہ مہمان بھوکے نہ رہیں۔ بیوی نے کہا آج تو گھر میں برکت ہی برکت ہے۔ البتہ بچوں کے لیے کچھ ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں۔ حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا بچوں کو بہلا پھسلا کر بھوکا ہی سلا دینا ہم دونوں بھی فاقہ سے رات گزار لیں گے اور کھاتے وقت چراغ بجھا دینا تا کہ مہمان سمجھے کہ ہم ان کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا صبح جب یہ انصاری رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کے رات کے عمل سے اللہ ربّ العالمین بہت خوش ہوئے اور قرآن میں ایک پوری آیت اس بارے میں نازل ہوئی۔

تفسیر ابن کثیر میں یہ ایک مشہور واقعہ درج ہے کہ مرتے مرتے اور شہید ہوتے ہوئے بھی صحابہ کرامؓ نے ایک دوسرے سے ایثار اور ہمدردی کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کردیں۔ ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ میں یرموک کی لڑائی میں اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش میں ایک مشکیزہ پانی کا ساتھ لے کر نکلا تا کہ اسے پانی پلاؤں اتفاق سے وہ مجھے ایک جگہ جان کنی کے عالم میں دکھائی دیا، میں جلدی سے اس کے پاس پہنچا اور مشکیزہ کا منہ اس کی طرف کیا ہی تھا، تا کہ کچھ پانی پی کر سکون حاصل کر سکے، اتنے میں دوسرے صاحب نے جو قریب ہی پڑے مرنے کے قریب تھے، آہ! کی میرے بھائی نے مجھے اس کے پاس جانے کا اشارہ کیا، میں فوراً اُدھر پہنچا یہ ہشام بن ابی العاصؓ تھے، ان کے پاس پہنچا ہی تھا کہ ان کے قریب ایک تیسرے صاحب نے آہ! کی ہشام بن ابی العاصؓ نے ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا، میں جب ان کے قریب پہنچا تو ان کا دَم نکل چکا تھا میں پلٹ کے ہشامؓ کے پاس آیا تو وہ بھی شہید

ہو چکے تھے،ان کے پاس سے جب میں اپنے بھائی کے پاس پہنچا تو وہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں ایک صحابی کوکسی نے بکری کی سری صدقہ کے طور پر دی،انہیں خیال گزرا کہ اس وقت ان کا فلاں ساتھی زیادہ ضرورت منداور محتاج ہے۔ اس لئے سری اُن کے پاس بھیج دی،انہیں ایک تیسرے صاحب کی ضرورت کا خیال گزرا تو انہوں نے وہ سری اُس کے پاس بھیج دی غرض!اس طرح وہ سری سات گھروں سے ہوتی ہوئی پہلے صحابی ہی کے پاس لوٹ آئی۔یہ ہے ایثاروہمدردی۔

ضرورت کے وقت بعض صحابہ کرامؓ اپنے گھروں کی سب چیزیں اللہ کی راہ میں دے دیتے تھے اور گھر میں سوائے اللہ کے نام کے اور کوئی چیز نہ چھوڑتے تھے چنانچہ یہ واقع بھی بہت مشہور ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر نبیﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا تو حضرت عمر فاروقؓ اپنے گھر کے سارے سامان کا نصف لیکر حاضر ہو گئے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ آج وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بازی جیت جائیں گے،ادھر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی اپنے گھر کا سارا مال و متاع جمع کیا اور لے کر حاضر ہو گئے اللہ کے رسولﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا :عمر! گھر والوں کیلئے کیا چھوڑا ہے! عرض کیا! حضور! گھر والوں کیلئے آدھا چھوڑ آیا ہوں۔حضورﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا ابو بکر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے عرض کیا حضور! گھر والوں کے لیے اللہ اور اللہ کا رسول چھوڑ آیا ہوں۔یعنی اللہ اور اللہ کے رسول کی برکتیں اور خوشنودی چھوڑ آیا ہوں۔حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا میں ابو بکرؓ سے کبھی سبقت نہیں لے سکتا۔حضرت عائشہ صدیقہؓ نے رسول اللہﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے

پہلو میں اپنی قبر کی جگہ مخصوص کر رکھی تھی لیکن جب حضرت عمرؓ نے اپنے لیے اس جگہ کی درخواست کی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے برضا و رغبت یہ تختۂ جنت ان کو دے دیا، ان کا یہ ایثار قیامت تک باقی رہے گا اور ہر شخص یہ دیکھ کر یا سن کر عبرت حاصل کرتا رہے گا۔

یہ تو تھے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات اب ایک دو واقعات تابعین اور تبع تابعین کے بھی پیش کرتا ہوں، خطیب بغدادی رحم اللہ اپنی شہرہ آفاق کتاب تاریخ بغداد میں امام واقدی کے حالات میں لکھتے ہیں کہ واقدی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجھے بڑی مالی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، فاقوں تک نوبت پہنچ گئی، گھر سے اطلاع آئی کہ عید کی آمد آمد ہے اور گھر میں کچھ بھی نہیں، بڑے تو صبر شکر کرلیں گے لیکن مفلسی کی عید بچے کیسے گزاریں گے! یہ بات سن کر مجھے بھی فکر لاحق ہوئی اور میں اپنے ایک تاجر دوست کے پاس قرض لینے پہنچ گیا میرا دوست مجھے دیکھتے ہی سمجھ گیا اور بارہ سو 1200 درہم کی ایک سربمہر تھیلی میرے ہاتھ میں تھمادی، میں واپس گھر آیا ابھی بیٹھا بھی نہ تھا کہ میرا ایک ہاشمی دوست آ پہنچا، جس کے گھر میں بھی افلاس نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ وہ قرض کی کچھ رقم چاہتا تھا میں نے اہلیہ سے مشورہ کیا کہنے لگی کتنی رقم دینے کا ارادہ ہے! میں نے کہا تھیلی کی رقم آدھی آدھی کر لیتے ہیں۔ اس طرح دونوں کا کام چل جائے گا، بڑی عجیب بات ہے آپ ایک عام آدمی کے پاس گئے اس نے آپ کو 1200 درہم کی سربمہر تھیلی دے دی اور آپ اسے ایک عام آدمی کے دیئے کا نصف دے رہے ہیں میں تو کہتی ہوں کہ آپ اسے یہ پوری تھیلی ہی دے دیں۔ چنانچہ میں نے وہ تھیلی کھولے بغیر اس کے حوالے کردی ہاشمی تھیلی لیکر گھر پہنچا تو میرا وہی تاجر دوست ہاشمی کے پاس حاضر ہوگیا اور کہا عید کی آمد ہے گھر میں کچھ نہیں کچھ قرض چاہیے،

ہاشمی نے وہی تھیلی اس کے حوالے کردی اپنی ہی تھیلی دیکھ کر یہ تاجر حیران ہوا تھیلی ہاشمی کے پاس ہی چھوڑ کر تاجر دوست میرے پاس آ گیا میں نے اسے پورا قصہ سنایا تو اس طرح راز کھل گیا اس ایثار و ہمدردی کے انوکھے واقع کی اطلاع وزیر یحییٰ بن خالد کو پہنچی تو وہ 10 ہزار دینار لے کر آئے اور کہنے لگے ان میں دو ہزار آپ کے دو ہزار ہاشمی کے اور دو ہزار تاجر دوست کے اور باقی کے چار ہزار آپ کی اہلیہ کے ہیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ قابل قدر اور لائق اعزاز ہے۔

اسی کتاب میں ایک اور ایسی ہی حکایت اس طرح درج ہے کہ ابونصر صیاد نامی ایک شخص اپنے بیوی بچے کے ساتھ ایک گھر میں غربت اور افلاس کی زندگی بسر کرتا تھا ایک دن وہ اپنی بیوی اور بچے کو بھوک سے نڈھال بلکتے روتے چھوڑ کر روزی کی تلاش میں حیران و سرگرداں گھر سے نکل پڑا۔ وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ کس کے سامنے دست سوال دراز کرے کس کا دروازہ کھٹکھٹائے کہ اس کا سامنا ایک عالم دین احمد بن مسکین سے ہو گیا، ابونصر نے کہا شیخ! میں غموں کا مارا دکھوں سے تھک گیا ہوں، گھر میں فاقہ کشی اور تنگدستی کے حالات سن کر شیخ نے کہا: میرے پیچھے آؤ ہم دونوں سمندر کے کنارے پہنچ گئے، شیخ نے مجھے کہا دو رکعت نفل ادا کرو میں نے حکم کی تعمیل کی انہوں نے مجھے ایک جال دیا اور کہا: بسم اللہ پڑھ کر جال سمندر میں ڈال دو، میں نے جال کو سمندر میں ڈال کر جب باہر کھینچا تو اس میں ایک عظیم الشان مچھلی پھنس کر باہر آ گئی شیخ نے کہا: اسے فروخت کر کے گھر والوں کے لیے کھانا لے جاؤ! میں نے مچھلی فروخت کر کے ایک قیمہ والا اور ایک میٹھا پراٹھا خریدا اور خوشی خوشی گھر کو روانہ ہو گیا راستہ میں، میں نے بھوکوں ماری ایک عورت کو اپنے ایک چھوٹے بچے کے ساتھ روتے دیکھا اور پھر اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے دونوں پراٹھوں کو دیکھا اور اپنے آپ سے کہا اس عورت اس

کے بچے اوراس کے اپنے بچے اور بیوی میں کیا فرق ہے معاملہ ایک جیسا ہے وہ بھی بھوکے ہیں اور یہ بھی بھوکے ہیں ابونصر ان کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھ نہ سکا اور دونوں پر اٹھے عورت کی طرف بڑھا کر خود آگے چل پڑا ابونصر غمگین دل لئے سوچوں میں ڈوبا ہوا کہ کیسے بیوی اور بچے کا سامنا کرے گا۔ جب تھوڑی دور آگے گیا تو اس نے ایک منادی والا دیکھا جو آوازیں لگا رہا تھا کہ کوئی ہے، جو اسے ابونصر سے ملا دے لوگوں نے ابونصر کو آتے دیکھا تو شور مچا دیا کہ وہ ہے ابونصر ابونصر آ گیا منادی والا ابونصر سے ملا اور اسے بتایا کہ تیرے باپ نے آج سے کوئی بیس سال پہلے میرے پاس 30 دینار رکھے تھے وہ میں تجھے لوٹانے آیا ہوں 30 دینار دیکھ کر ابونصر سارے غم بھول گیا اور خوشی خوشی اسی دوکان پر پہنچ گیا اس نے وہاں سے کھانے کی چیزوں کے علاوہ گھر کے لیے بہت سا دیگر سامان بھی خریدا اور گھر روانہ ہو گیا۔ بیوی نے اتنا سامان دیکھا تو خوشی سے جھوم اٹھی اور پوچھا ابونصر تو اتنا سامان کہاں سے لایا تیرے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے ابونصر نے جب سارا حال بیوی کو سنایا تو دونوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو پھوٹ پڑے اللہ کا شکر ادا کیا اور مزے سے زندگی گزارنے لگے یہ ہے ایثار و ہمدردی کا نتیجہ اللہ ہم سب کو بھی ایثار و ہمدردی کرنے کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

نسانیت کا حصول

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ)

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد انسان کو انسانیت مل گئی۔حضور ﷺ سے پہلے انسان انسانیت سے محروم ہو چکا تھا اور حضور ﷺ کی بعثت سے انسان کو انسانیت کا صحیح تصور نصیب ہوا۔

انسانیت کے بارے میں غلط تصورات:

حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے انسانیت کا کیا تصور تھا؟ صرف تین چار باتیں عرض کروں گا'ان پر غور کیجئے گا:

مظاہر قدرت کی پوجا:

آپ کے علم میں ہوگا کہ انسان خود کو اپنی نظر میں اسی قدر ذلیل سمجھتا تھا کہ وہ مظاہر قدرت کی پوجا کرتا تھا۔سمندر'دریا' سورج' گائے اور سانپ کی پوجا کرتا تھا۔کائنات تو انسان کی خدمت کے لیے بنی تھی لیکن وہ کائنات کا خادم اور پجاری بن گیا۔

تناسخ یا آواگون کا نظریہ:

حضور ﷺ کی بعثت سے قبل یہ نظریہ بہت رائج تھا کہ انسان جس طرح سے پیدا ہوا ہے یا جس حیثیت پر ہے، وہ اس کے گزشتہ کرموں کا پھل ہے۔جو کچھ بھی وہ کرتا ہے وہ اس

کے گزشتہ اعمال کا نتیجہ ہے۔یعنی اب وہ جو کر رہا ہے وہ اس پر مسلط ہے۔اس کے تمام اعمال اس کی کسی مجبوری کا نتیجہ ہیں اور پھر جو آئندہ پیدا ہو گا تو اس کے اعمال اس کے آج کل کے اعمال کی مجبوری کا نتیجہ ہوں گے یعنی اس پر جبر مسلط ہے۔وہ انسان پیدا ہوا ہے تو مجبور ہے۔اگر وہ جانوروں کی شکل میں پیدا ہوا ہے تو مجبور ہے۔اس کو شرفِ آزادی اور اختیار نہیں ہے۔ہر طرف جبر ہی جبر ہے۔

پیدائشی گنہگار ہونے کا تصور:

عیسائیت نے اس نظریئے کو اور بھی بھدا بنا دیا کہ انسان پیدائشی گنہگار ہے۔حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ کیا۔اور پشت در پشت سفر کرتے کرتے وہ گناہ ہماری فطرت میں بھی آ گیا چنانچہ ہر شخص پیدائشی گنہگار رہے۔یعنی پیدا ہی اس لیے ہوا کہ گناہ کرتا رہا۔اس طرح ایک گنہگار کو ایک منطقی سبب مل گیا۔ہر شخص گناہ کرے اور کہے کہ پیدا ہی گناہ کرنے کے لیے ہوا ہوں۔ہمارے باپ نے بھی گناہ کیا تھا۔یہاں پر بھی جبر کی کیفیت ہے کہ وہ پیدائشی طور پر گنہگار پیدا ہوا ہے اور خدا نے انسان کی فطرت میں گناہ ڈال دیا ہے۔وہ گناہ نہیں کریگا تو اور کیا کرے گا۔

خدا اور بندوں کے درمیان واسطے:

ایک نظریہ یہ تھا کہ انسان کا خدا کے ساتھ کوئی سیدھا سادہ تعلق نہیں ہے۔درمیان میں واسطے آنے چاہئیں۔خواہ یہ واسطہ عیسیٰ علیہ السلام کا ہو،خواہ کسی پجاری کا ہو،خواہ کسی ولی و مبلغ کا ہو۔وہ سیدھا اللہ تعالیٰ سے اکیلے میں بیٹھ کر تعلق پیدا نہیں کر سکتا۔

یہ انسانیت کا وہ تصور ہے، جو حضور ﷺ سے پہلے تھا۔اسلام نے ان غلط تصورات کا خاتمہ کیا اور انسان کو انسانیت بخشی اور سیدھا خدا سے واصل کر دیا۔میرے پاس چند

طالب علم آئے اور کہنے لگے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان نہیں ہے، کہنے لگے کہ آپ کی باتیں تو پیاری لگتیں ہیں مگر کیا کریں۔ ہمارے دل ایمان و یقین سے خالی ہیں میں نے کہا میری ایک کتاب ''وجوداللہ سبحانہٗ والتوحید' عربی زبان میں ہے' اُسے پڑھ لیا' مگر اس سے بھی پہلے تم ایک کام کرلو اور وہ یہ بیٹھ کر' اللہ اللہ کرو' کہنے لگے کہ اس پر تو یقین نہیں ہے۔ ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ میں نے کہا بھائی تم کسی سے ملنے جاتے ہو اور تمھیں یقین سے معلوم نہیں کہ صاحبِ خانہ موجود ہے یا نہیں۔ تو تم کیا کرتے ہو؟ یہی ناں کہ اس کو پکارتے ہو۔ دروازہ کھٹکھٹاتے ہو، آواز لگاتے ہو۔ کہتے ہو کہ فلاں صاحب! باہر تشریف لائیے۔ تم پکار کر تو دیکھو۔ کہو اللہ! اللہ! یا اللہ! خلوص دل کے ساتھ اسے آواز لگا کر دیکھو۔ اگر چند دن کے بعد جواب نہ ملا تو میاں یہاں آ کر مجھے گریبان سے پکڑ لینا۔ کہنے لگے کہ کیسے جواب ملے گا؟ میں نے کہا جواب ایسے ملے گا کہ ساری دنیا کو بتاتے پھرو گے، شک وغیرہ سب بھول جاؤ گے اور اس سے پیار ہو جائے گا۔

ہمارے شیخ ابوبکر غزنویؒ کے ساتھ یہی کچھ ہوا۔ حالت شک میں مبتلا تھے حضرت حاجی احمد گل رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں اللہ اللہ کہنے کو کہا۔ ایسا جواب ملا کہ ایک جہان کو اللہ اللہ سکھانے لگے۔ اللہ کے رنگ میں ڈوب گئے۔ جب موت کا وقت آیا تو زبان پر وہی اللہ اللہ جاری تھا۔

دخل ہے اس کو بہت کچھ میرے تڑپانے میں

وہ جو لذت ہے ترے نام کے دہرانے میں

اسلام سے پہلے مصیبت یہ تھی کہ پکارنے کے لیے بھی درمیان میں کوئی ایسا ہونا چاہئے تھا جو کہ آواز وہاں تک پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ تک سیدھی آواز پہنچتی ہی نہیں تھی۔ اسلام کے آنے سے انسان اللہ تعالیٰ سے براہ راست راہ و رسم رکھنے لگا۔

ذات پات کا خاتمہ:

انسان اور انسان کے درمیان طبقاتی امتیاز اور ذات پات کی لعنت سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔یہ برہمن ہے، یہ کھشتری ہے، یہ ویش ہے، یہ شودر ہے، ہندوستان کے لوگ باقی دنیا کے لوگوں کو ناپاک سمجھتے ہیں۔رومی کہتے ہیں کہ وہ حکومت کرنے کے لیے اور باقی ساری دنیا ان کی غلامی کے لیے پیدا ہوئی ہے۔اسی نظریہ کی وجہ سے ہٹلر نے جرمن قوم کو دنیا کی بہترین اور حاکم قوم قرار دیا اور اس کا نتیجہ ہی عالمگیر جنگ تھا۔اسلام نے یہ بات کھول کر بیان کی کہ سب انسان برابر ہیں۔ذات پات کی کوئی گنجائش نہیں۔

تکریمِ انسان:

اسلام نے بتایا کہ بنی آدم ذلیل نہیں ہے۔قرآن مجید میں ہے:''ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے۔'''' ہم نے انسان کو بہترین شکل میں پیدا کیا ہے۔'' خوبصورت بنایا ہے۔ اچھا بنایا ہے، نیک خصلت بنایا ہے اور پیدائشی گنہگار، غنڈہ لفنگا اور مجرم پیدا نہیں کیا۔

''ہم نے اسے دونوں راستے بتا دیئے ہیں۔(اور آزادی اور اختیار دے دیا ہے)

برا آدمی بننا چاہے، تو بنے ہم اسے برا آدمی بننے کے مواقع دیں گے' اسے آزادی ہے اگر نیک بننا چاہے تو اسے نیک انسان بننے کے مواقع دیں گے۔

فرمایا: ہم نے اسے ہدایت کا راستہ دکھایا ہے (اب چاہے تو، شکرگزار بنے یا ناشکرا بنے، اس کی اپنی مرضی ہے)۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان پر گنہگاری کا ٹھپہ لگا کر نہیں بھیجا ہے، یہ بہت بڑا ظلم ہوتا۔دو تین سال پہلے کی بات ہے، میں امریکہ میں تھا' کچھ پادری دوست آئے ان میں تین گھنٹے تک بات ہوتی رہی میں نے کہا کہ ایک بات تمہیں بتا دوں کہ میرا خدا اتنا ظالم نہیں کہ

میرا باپ آدمؑ سالہا سال روتا اور آنسو بہاتا رہا۔ اپنی ایک لغزش پر ہزار معافیاں مانگتا رہا، توبہ استغفار کرتا رہا مگر تمہارے ظالم خدا نے نہ صرف اسے معاف نہیں کیا بلکہ اس کا گناہ پشت در پشت منتقل کرتے کرتے ہم تک بھی پہنچا دیا اور ہم پر بھی پیدائشی مجرم اور گنہگار ہونے کا ٹھپہ لگا دیا۔ اتنا سخت دل اور کینہ پرور خدا؟ ایسے خدا کو ماننے کو تیار نہیں ہوں، میرا خدا تو ایسا ہے کہ ہم ہاتھ اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معاف کردے تو وہ فوراً معاف کردیتا ہے۔

موتی سمجھ کر شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

اور ہمارے نبی ﷺ نے یہی فرمایا ہے: ''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں تھا۔'' ہمارا خدا ظالم نہیں ہے وہ معاف کردیتا ہے۔

عدل کا تصور:

ہمارا خدا اس بات کا بھی محتاج نہیں ہے کہ پہلے کوئی آئے 'اپنا گلا کٹوائے تو معافی ہو۔ پہلے کوئی صدقہ یا کفارہ دے تو وہ معاف کرے۔ نہیں میں یہ ظلم بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوں کہ گناہ کرے آدمؑ اور آدمؑ کی ذرّیت اور پکڑا جائے بیچارا عیسیٰؑ۔ اور ان سب کا کفارہ ادا کرے۔ اس کا کیا تصور؟ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی!

مذہب اور اندھے یقین کے نام پر ظلم کے یہ تصور انسانیت کے اندر موجود تھے، عدل کا تصور صرف اسلام کے راستے سے آیا۔ یہ تصور کہ آدم کا گناہ آدم کے ساتھ رہے گا اور اس کے بیٹے قابیل کا گناہ قابیل کے ساتھ رہے گا، اسلام کے ذریعہ آیا۔ ہر شخص اپنے کیے کا صرف خود ذمہ دار ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ''اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''

چند روز قبل عدل کے موضوع پر ایک عیسائی دوست سے بات ہوئی۔ میں نے کہا کہ اسلام ہی

عدل کا صحیح تصور دیتا ہے اور ہر شخص کو اپنے کیے کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔قرآن مجید میں ہے:

''انسان کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کے لیے وہ عملی کوشش کرے۔''

''ہر شخص اپنے اعمال کے بدلہ میں رہن رکھا ہوا ہے''۔

''یہ ایک امت تھی جو گزر گئی۔جو انہوں نے کمایا اس کا بدلہ انہیں ملے گا، اور جو تم کماؤ گے اس کا بدلہ تمہیں ملے گا۔''

یہ ایک اُمت تھی یعنی آدمؑ، ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ جو گزر گئی۔انہوں نے جو کمایا وہ خود اس کے ذمہ دار ہیں جو تم کماؤ گے اس کے تم ذمہ دار ہو گے۔آدم کا گناہ ہمارے سر پر نہیں آئے گا اور عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے کا ہمارے اعمال اور ہمارے انجام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔وہ ایک مرتبہ نہیں پچاس مرتبہ قتل ہو لیں۔اگر میں گنہگار رہوں تو میں اپنی سزا خود بھگتوں گا۔عیسیٰ علیہ السلام کو بھگتنے کی نہ ضرورت ہے اور نہ ان کے بھگتنے سے ہمیں کوئی فائدہ ہے۔الحمد للہ! وہ شخص مسلمان ہو گیا اور نہ صرف ایک اچھا مسلمان ہو گیا بلکہ اس کے ذریعے بہت سے اور لوگ بھی مسلمان ہو گئے ہیں۔

بارِ امانت:

سیدھا سیدھا ایک معقول تصور ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ قرآن مجید ذمہ داری کا تصور دیتا ہے: ''ہم نے ایک ذمہ داری آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کی۔انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے۔انسان نے اسے اٹھا لیا۔(یہ ذمہ داری قبول کر لی) کیا ہے یہ ذمہ داری؟ یہ امانت کیا تھی کہ جس کے بوجھ سے زمین، آسمان اور پہاڑ ڈر گئے۔وہ یہ تھی کہ انسان کو عقل، ارادہ اور اختیار دیا جا رہا تھا کہ چاہو تو اللہ کی عبادت کرو اور چاہو عبادت نہ کرو، نافرمانی کر گزرو۔چاہو تو اس سے محبت کرو اور چاہو تو

اِدھراُدھر منہ مارتے پھرو۔چاہو تو اس کے احکام کی اوراس کے رسول کی اطاعت کرو اور چاہو تو اس کی اطاعت نہ کرو۔اس کے وجود کو بھی نہ مانو۔پوری آزادی اور اختیار (Full Powers) دیا جا رہا تھا،خلافت دی جا رہی تھی۔اس اختیار کو قبول کرنے سے سب نے انکار کردیا کہ جی ایسا نہیں ہوسکتا کہ اتنی بڑی ذمہ داری اٹھالیں کہ چاہیں تو آپ کی عبادت کریں۔چاہیں تو آپ سے پیار کریں اور چاہیں تو آپ سے نفرت کریں یا آپ کے وجود سے ہی انکار کردیں۔ہم سے سرکار یہ نہیں ہوگا۔ہم یہ نہیں کرسکتے۔اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے تصور سے ہی کانپ اُٹھے۔یہ اختیار لینے سے صاف انکار کردیا۔انسان نے کہا:

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

حضور! اگر آپ یہ بارِ امانت ہم سے اٹھوانا چاہتے ہیں تو ہم اس کے لیے بھی حاضر ہیں اور یہ ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔

انفرادی ذمہ داری:

یہ ذمہ داری انفرادی ہے،قرآن مجید میں یہ بات انتہائی واضح انداز میں بیان کر دی گئی ہے کہ آخرت میں ہر شخص اکیلا اکیلا اپنے اعمال کا خود اور تنہا ذمہ دار ہوگا۔ہر شخص اکیلا اکیلا اپنے پروردگار کے سامنے ذمہ دار ہے اور ہر شخص کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل پرائیویٹ تعلق ہے اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے جائے گا تو تنہا جائے گا۔نہ باپ بیٹے کا ذمہ دار اور نہ بیٹا باپ کا ذمہ دار ہوگا۔بیوی شوہر کی ذمہ دار اور نہ شوہر بیوی کا ذمہ دار۔قرآن مجید میں ہے: ''اب آج تم آگئے نا ہمارے پاس اکیلے اکیلے! بالکل اسی طرح جیسے پہلی بار ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا۔'' ہر شخص تنہا ہے۔بالکل تنہا اور اپنے اعمال کا بھی بالکل تنہا ذمہ دار۔اللہ کے ساتھ وہ اپنی محبت میں بھی تنہا ہے۔اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے لیے

محبت کا ایک جہاں آباد ہو مگر وہ تنہا ہے۔اس جہانِ محبت میں کوئی اس کے اندر نہیں جھانک سکتا کوئی اس کا شریک نہیں۔تنہا، پرائیویٹ، خفیہ اور بلاشرکتِ غیرے وہ اللہ کی راہ کا مسافر ہے۔اس کا تعلق بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل سیدھا اور براہ راست ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''مجھ سے دعا مانگو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔'' مجھے پکارو! میں تمہاری پکار پر لبیک کہوں گا۔فرمایا: تم ایک مرتبہ کہو گے یا اللہ تو میں دس مرتبہ کہوں گا کہ لبیک یا عبدی! ''جی میرے بندے'' بالشت بھر تم میرے پاس بڑھو گے تو گز بھر تمہاری طرف آؤں گا۔تم چل کر آؤ گے تو میں دوڑ کر آؤں گا۔

یہ سیدھا سیدھا تعلق ہے، درمیان میں کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔نبی مکرم آتا ہے بطور رہبر' راستہ دکھاتا ہے، اللہ کا راستہ! اس پر چلا دیتا ہے، منزل تک پہنچا دیتا ہے، نبی کا اصل کام ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ سیدھا سیدھا تعلق پیدا کرتا ہے نبی اُمت کے لیے دعا کرتا ہے لیکن اہم بات یہ ہے کہ وہ اللہ سے دُعا کرنے والا بنا دیتا ہے، دعا کا طریقہ سکھا دیتا ہے مگر کہتا ہے کہ دیکھو، دعا تو اللہ تعالیٰ ہی سے کرنا ہے مجھ سے نہیں! ہاں دعا مانگنے کا طریقہ نبی سکھائے گا۔اس کی ڈرافٹنگ وہ بنا دے گا کہ ان الفاظ میں دعا کیا کرو۔یوں دُعا قبول ہوگی۔یہی حال شیخ و مرشد کا بھی ہوتا ہے وہ اللہ سے جوڑ دیتا ہے، درمیان سے وہ بھی ہٹ جاتا ہے۔چنانچہ انسان کا صحیح تصور یہ ہے کہ وہ پیدائشی گنہگار نہیں ہے، بلکہ پیدائشی طور پر نیک ہے، اپنے اعمال کا تنہا خود ذمہ دار ہے۔اللہ تعالیٰ سے سیدھا، ذاتی اور پرائیویٹ تعلق رکھتا ہے۔اللہ سے محبت کرنے والا ہے اور اس کا خلیفہ ہے۔قرآن مجید میں ہے: ''میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں۔'' معلوم یہ ہوا کہ انسان اور خدا کے درمیان اور کوئی بیچ میں ہے ہی نہیں۔

خدا کے بعد اس کائنات میں اگر مرتبہ ہے تو صرف انسان کا ہے، اس کو ہم پیدائشی گنہگار کہیں !!! لاحول ولاقوۃ الاباللہ۔

کائنات کا انسان کے تابع فرمان ہونا:

یہ بات اس دور میں تو سمجھ آتی ہے لیکن آج سے ہزار ڈیڑھ ہزار سال پہلے اس کو سمجھنا بھی بہت مشکل ہوگا۔فرمایا کہ ہم نے کائنات میں جو کچھ بھی ہے سب انسان کے لیے مسخر کر دیا۔اس کے قابو میں لے آئے ہیں۔قرآن مجید میں ہے: ''ہم نے مسخر کر دیا تمہارے لیے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمینوں میں ہے، سارے کا سارا، یہ اللہ کی طرف سے ہے۔'' یہ بات ماڈرن سائنس کے بعد تو زیادہ سمجھ آنے لگی ہے۔لیکن یہ سب کچھ تو پہلے سے مسخر تھا' یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو انسان کے لیے کیسے مسخر کیا ہوا ہے؟ آیئے! اس پر غور کریں۔اسی طرح سے اگر ہوا، پانی یا غذاء موجود نہ رہیں تو انسان چند گھڑیوں سے زیادہ زندہ نہ رہ سکے گا۔یہاں تک کہ وہ چیزیں جنہیں ہم بے قیمت سمجھتے ہیں' اگر ان میں کسی ایک چیز کو آپ صفحۂ ہستی سے مٹا کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ انسان کا نقصان ہوگیا۔بہت معمولی سے معمولی چیز مثلاً گھاس کے تنکے یا ریت کے ذرے کو اس کائنات کے نقشے سے غیر موجود تصور کریں تو معلوم ہوا کہ انسان کو بہت بڑی مشکل درپیش ہو جائیگی۔نقصان ہو جائے گا۔انسان ایک خادم سے محروم ہو جائے گا۔

اب تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کر لیجئے کہ اگر انسان دنیا میں موجود نہ ہو تو کیا سورج کا کچھ بگڑے گا؟ چاند کا کچھ بگڑے گا؟ سمندر کا نقصان ہوگا؟ پہاڑوں اور دریاؤں کا کچھ نقصان ہوگا؟ ہرگز نہیں! کسی چیز کا کچھ نہیں بگڑے گا۔کیوں؟ اس لیے کہ انسان کسی چیز کی خدمت نہیں کرتا، بلکہ سب سے خدمت لیتا ہے، ہر چیز کو انسان کے لیے مسخر بنایا گیا، انسان کو

کسی چیز کے لیے مسخر نہیں کیا گیا۔انسان مخدوم ہے خادم نہیں ہے۔اب اس آیت پر غور کیجئے کہ:''آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے ہم نے سب کا سب تمہارے لیے مسخر کیا ہے' یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔''

نسلی،لسانی اور وطنی امتیاز کا خاتمہ:

انسانیت کے تصور میں ایک اہم بات کو ذہن میں رکھیے کہ اسلام نے جتنے بھی عصبیت تھی ساری توڑ دی۔جب حضورﷺ نے مکہ مکرمہ میں دین کی دعوت شروع کی تو خونی رشتہ سے حضور کا قریب ترین رشتہ دار ابولہب تھا۔یوں تو ابو طالب بھی چچا تھے اور ابولہب بھی۔لیکن ابولہب کو ایک خاص امتیاز حاصل تھا کہ اس کے دو بیٹے تھے عتبہ اور عتیبہ،اور ان دونوں کے گھر حضورﷺ کی دو بیٹیاں تھیں۔قریب ترین رشتہ دار ابولہب تھا،لیکن حقیقی اور معنوی اعتبار سے ابولہب حضورﷺ سے قریب ترین انسان تھا،قیامت تک یہ قرآنی آیت تلاوت کی جاتی رہے گی:''ترجمہ:ابولہب تباہ ہوا،اس کے ہاتھ ٹوٹ گئے،اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا اس کے کام نہ آیا۔عنقریب وہ لپٹنے والی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔'' دوسری طرف دیکھیں تو ایک شخص نہ حضورﷺ کا دور کا رشتہ دار نہ قریبی!وہ نہ عرب ہے نہ عربی زبان جانتا ہے۔اس سے حضورﷺ کا نہ خونی رشتہ ہے نہ علاقائی نہ لسانی۔دیکھنے میں وہ ہر اعتبار سے حضورﷺ سے قریب ترین انسان نظر آتا ہے مگر دینی اور معنوی رشتہ کی وجہ سے اسے آپ اپنے گھر کا فرد قرار دیتے ہیں۔ارشاد ہے: ''سلیمان ہم میں سے ہیں۔اہل بیت ہے(گھر والوں میں سے ہے)۔فارس کا شہزادہ اپنے محل سے حضور نبی آخر الزماںﷺ کی تلاش میں نکلا کئی مرتبہ غلام بنا۔آخر مدینہ منورہ آپہنچا۔اسلام قبول کیا۔

معاذ بن جبل کو حضورﷺ یمن میں گورنر بنا کر بھیج رہے تھے۔بہت نصیحتیں کیں۔

آخر میں فرمایا کہ "معاذ! اب جب تم مدینہ میں آؤ گے تو میری قبر پر آؤ گے۔" معاذؓ رونے لگے کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورﷺ بھی رو پڑے اور چہرہ مبارک دوسری جانب پھیر لیا۔ حضور اکرمﷺ کو صحابہ کرام سے صحابہ کو حضورؐ سے بہت محبت تھی۔ یہ اتنا عظیم اور گہرا تعلق تھا جو باپ اور بیٹے میں بھی نہیں ہوتا۔ آپﷺ نے فرمایا کہ معاذ بات یہ ہے کہ جو لوگ میری اتباع کرتے ہیں وہ میرے ہی ہیں خواہ وہ کہیں بھی ہوں اور کوئی بھی ہوں۔" یعنی اس بات سے نہ گھبرانا کہ تم مجھ سے دور ہو گئے، تم مجھی سے ہو اور میرے ساتھ ہی ہو۔ میری اتباع شرط ہے۔

دیکھئے! سارے رشتے توڑ دیئے۔ ایک دین کا رشتہ باقی رہا۔ زبان کی قید یا قومیت کا تعصب یا گورے کالے کا تعصب سب توڑ کر رکھ دیئے۔ بس ایک عصبیت باقی رہ گئی کہ کون اللہ والا ہے اور کون اللہ والا نہیں ہے۔ کون حزب اللہ میں سے ہے اور کون حزب الشیطان میں سے ہے حضورﷺ کے سگے چچا عباس بدر کے قیدیوں میں آگئے۔ رسیوں سے بندھے ہوئے ہیں۔ آپﷺ کو رات بھر نیند نہیں آئی کہ چچا کے کراہنے کی آواز آ رہی ہے، لیکن ان کو چھوڑا نہیں ہے۔ مصعب بن عمیرؓ کے بھائی جنگ بدر میں مسلمانوں کے مقابلے میں لڑے اور پھر جنگی قیدی بنے' وہ خود واقعہ سناتے ہیں کہ میں جب قیدیوں میں آیا تو میں نے دیکھا کہ میرا سگا بھائی مصعب بن عمیر موجود ہے۔ اُمید ہوئی کہ وہ میری سفارش کرے گا' مجھے چھڑائے گا۔ جب وہ میرے پاس سے گزرا تو ایک انصاری اس وقت مجھے رسہ سے باندھ رہا تھا۔ تو میرا بھائی مصعب خیال رکھنا اس قیدی کی ماں بہت امیر ہے' اُسے مضبوطی سے باندھنا۔ اس کے بہت پیسے ملیں گے۔ حد ہو گئی کہ میرا سگا بھائی ایک غیر نسل اور غیر قبیلہ کے شخص کو میرے بھائی کہہ کر پکار رہا ہے اور مجھ سے بات بھی نہیں کر رہا۔"

اب پتا چلا کہ بھائی کون ہوتا ہے ۔بھائی چارہ کس بنیاد پر ہے۔دین کی بنیاد پر بھائی چارہ ہے ۔باقی سارے رشتے پیچھے رہ گئے، دھندلے ہو گئے، ایک دین کا رشتہ باقی رہا، اللہ کے نام کا رشتہ، محمد ﷺ کی غلامی کا رشتہ!

اونچ نیچ کا خاتمہ: لیجئے اسلام کے آنے سے چودھراہٹیں بھی ختم ہو گئیں۔پروہتوں، پنڈتوں، اور پادریوں کی اسلام نے کوئی گنجائش نہ رکھی۔قریش ایک کام کیا کرتے تھے کہ جو حج کرنے آئے وہ ان سے احرام خریدے اور جو ان سے احرام نہ خریدے وہ ننگا طواف کرے۔ اپنی تجارت چمکانے کے لیے انہوں نے یہ استحصال کیا ہوا تھا۔لوگ مجبوراً ننگے طواف کیا کرتے تھے۔اسلام نے دونوں باتیں حرام کر دیں۔کہ نہ تو قریش سے احرام خریدنا ضروری ہے اور نہ ہی ننگا طواف کیا جائے گا۔احرام کے کپڑے گھر سے لے کر آؤ اور میقات پر باندھو۔

ایک اور چودھراہٹ قریش والوں کی تھی کہ ساری دنیا کے لوگ عرفات میں حج ادا کیا کرتے تھے اور یہ مزدلفہ میں حج کیا کرتے۔ان کا حج ذرا گھر سے قریب ہوا کرتا تھا کہ یہ شرفاء تھے۔اسلام نے فیصلہ دے دیا کہ مزدلفہ میں کسی کا حج نہیں ہوگا۔سب کا حج عرفات میں ہوگا۔جس کو حج کرنا ہو وہ عرفات میں جائے۔مزدلفہ میں بس تھوڑی دیر کا قیام واجب ہے اور بس! سب برابر ہیں۔قریش اور غیر قریش میں کوئی فرق نہیں۔قریش کی ساری برہمنیت (Priesthood) توڑ کر رکھ دی۔انسان اور انسان کا فرق بالکل ختم کر دیا۔اور اس کو سیدھا اللہ کے حضور پیش کر کے کھڑا کر دیا۔ارشادِ ربانی ہوا:

ترجمہ: ’’جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (بتا دو کہ) میں بہت قریب ہوں۔جب پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں جواب دیا کرتا ہوں۔انہیں چاہئے کہ مجھ سے ہی مانگا کریں اور مجھ پر ہی ایمان رکھا کریں۔اُمید ہے کہ ہدایت پا جائیں گے۔‘‘

سالانہ اجتماع 2021 سلسلہ عالیہ توحیدیہ

(حافظ محمد یٰسین)

2020ء کے اوائل میں ہی کرونا وائرس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ترقی یافتہ ممالک سے لے کر ترقی پزیر ملکوں سمیت ہر کوئی اس کے مضر اثرات سے بری طرح متاثر ہوا۔ یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ کرونا کی وباء نے ہمارے خاندانی نظام سے لے کر معاشرتی نظام کو بری طرح متاثر کیا ہے۔لوگوں کو صرف گھروں تک محدود کر کے مساجد اور دوسری تربیت گاہوں کو پوری طرح ویران کر دیا گیا۔

حرمین شریفین سے لے کر چھوٹی مساجد تک اس کی لپیٹ میں آ گئیں۔ تعلیمی ادارے سرکاری دفاتر ،معاشی و معاشرتی نظام اس کی تباہ کاریوں کی زد میں آئے ۔ اس صورت حال کے پیش نظر حکومتوں نے سخت اقدام کیے اور ہر طرح کی مذہبی سیاسی ،سماجی اور معاشی پروگراموں پر سخت پابندیاں عائد کر دیں۔ انہی پابندیوں کے پیش نظر سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اجتماع 2020ء منسوخ کرنا پڑا اور اپریل 2021ء کا سالانہ اجتماع بھی انہی پابندیوں کی نظر ہو گیا جو کہ وابستگان سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے لئے بہت دکھ کا باعث بنا۔

آخر کار اللہ تعالی کے فضل و کرم اور بھائیوں کی دعاؤں سے بابا جان قبلہ محمد یعقوب خان صاحب نے ماہ اکتوبر کے پہلے عشرے میں سالانہ اجتماع کی خوشخبری سنائی جس کو سن کر تمام بھائی خوشی سے جھوم اٹھے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تاریخ میں سالانہ اجتماع کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا دو سال چھ ماہ بعد ہونے والا اجتماع 8,9 اکتوبر بروز جمعة المبارک، ہفتہ مرکز تعمیر ملت گوجرانوالہ میں شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ جناب محمد یعقوب توحیدی مدظلہ کی زیر نگرانی منعقد ہوا۔ سالانہ اجتماع 2021ء میں شرکت کے لیے بھائیوں کی آمد مرکز تعمیر ملت پر جمعرات کو شروع ہوگئی تھی۔ دور و نزدیک کے کچھ حلقہ جات جیسا کہ نوکھر، نوشہرہ ورکاں، گکھڑ اور گوجرانوالہ، ملتان اور چوک اعظم وغیرہ سے بھائی جمعرات کو ہی مرکز تشریف لے آئے تھے۔

سالانہ اجتماع کے پہلے دن کی پہلی نشست کا آغاز نماز جمعہ کے بعد تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ تلاوت کلام پاک اور نعت رسول مقبول ﷺ کی سعادت محترم جناب قاری شائق علی آف گوجرانولہ نے حاصل کی۔ اس کے بعد گوجرانوالہ کے بھائی جناب محمد ریاض صاحب نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا جس میں انہوں نے شیخ سلسلہ قبلہ محمد یعقوب توحیدی اور مقامی بھائیوں کی طرف سے آنے والے معزز مہمان بھائیوں کو خوش آمدید کہا جو اپنی گوناگوں مصروفیات ترک کر کے محض اللہ کی رضا کے لیے اجتماع میں شرکت کے لیے مرکز تعمیر ملت تشریف لائے۔

خطبہ استقبالیہ کے بعد پہلے اجلاس کے پہلے مقرر جناب عبدالقیوم ہاشمی صاحب نے "توحید اور اس کے تقاضے' بانی سلسلہؒ کی نظر میں، کے عنوان سے اظہار خیال فرمایا۔

ہاشمی صاحب نے کہا کہ بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے چراغ راہ میں فرمایا ہے کہ آپ سب اللہ کے فضل و کرم سے توحیدی ہیں۔ سچ مچ کے توحیدی ہیں۔ توحید میں اتنی طاقت ہے کہ اگر کوئی شخص واقعی توحیدی ہے تو خواہ اس اکیلے کے سامنے دنیا کی

ہزار بلائیں موجود ہوں ، شیر منہ کھولے دھاڑتے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہے ہوں ، ہزاروں کفار کا لشکر حملہ کر رہا ہو، سر پر ایٹم بم لیے ہوائی جہاز چکر لگا رہے ہوں اس کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ آئے۔ کیوں؟ محض اس لیے کہ توحیدی کسی سے نہیں ڈرتا۔ مگر یاد رکھو کہ کسی سے نہ ڈرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ لوگوں کے ساتھ بدتمیزی اور سختی و درشتی سے پیش آؤ۔ خوش خلقی بھی توحیدی کا شیوہ ہے۔ وہ کسی حالت میں بھی ہاتھ سے نہیں جانی چاہیے۔

اظہارِ خیال کے سلسلے کے دوسرے مقرر راؤ فیصل صاحب آف کراچی نے ”راہ سلوک کی رکاوٹیں بانی سلسلہ کی تعلیمات کی روشنی میں“ کے عنوان پر اظہار خیال کیا۔

راہ سلوک کی چیدہ چیدہ رکاوٹوں میں سے پہلی رکاوٹ، طلب کی خامی اور کمی ہے۔ یوں سمجھنے کو تو ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ میری طلب صادق اور میرا عزم راسخ ہے لیکن یہ اس کی بھول ہوتی ہے۔ دوسری رکاوٹ سالک کو پیر کامل سے مرید ہونے کے باوجود اس سے والہانہ عقیدت نہ ہو یا وہ اس کی اطاعت اور ادب میں کمی کرے۔ تیسری رکاوٹ ماحول ہے ۔ماحول سے مراد اپنا گھر، ہمسائے محلّہ اور وہ لوگ جن کی معیت میں سالک رہتا ہے۔ چوتھی رکاوٹ عسرت و غربت ہے، آمدنی کم ہے اور اہل و عیال کثیر اور سالک فکر معاش میں اللہ سے غافل ہو جاتا ہے۔

پہلے روز کے پہلے اجلاس کے آخری مقرر طارق محمود خضری صاحب تھے جنہوں نے ”میں توحیدی کیسے بنا“ کے عنوان سے اظہار خیال فرمایا۔ گفتگو کا یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ مغرب کا وقت ہو گیا۔ نماز مغرب ادا کرنے کے بعد محفل ذکر منعقد ہوئی ۔ سید عابد کبیر شاہ صاحب نے حلقہ ذکر کرایا۔ نوشہرہ ورکاں کے خادم حلقہ محمد عمران افضل نے

ختم پاک پڑھا۔قبلہ بابا جان نے دعا فرمائی ۔اس کے بعد نماز عشاء ادا کی گئی ۔اس کے بعد عشائیہ پیش کیا گیا۔عشائیہ کے بعد برادران آرام کے لیےتشریف لے گئے۔پہلے دن کے اجلاس کی کاروائی میں نقابت کے فرائض راقم الحروف نے سرانجام دیے۔

سالانہ اجتماع کے دوسرے دن بروز ہفتہ نماز فجر کی با جماعت ادائیگی کے بعد ایصال ثواب کے لیے اجتماعی قرآن خوانی اورختم پاک کا اہتمام کیا گیا۔قرآن خوانی کے بعد خادمان حلقہ اور مجازین کرام کی شیخ سلسلہ جناب قبلہ محمد یعقوب توحیدی کے ہمراہ مجلس مشاورت منعقد ہوئی۔

اجتماع کے دوسرے دن کے پہلے اجلاس کی کاروائی کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے دن دس بجے ہوا۔تلاوت کلام پاک کے بعد بارگاہ رسالت مآبﷺ میں ہدیہ نعت پیش کیا گیا۔

اظہار خیال کا سلسلہ شروع ہوا۔سب سے پہلے ملتان کےتوحیدی نوجوان شہزاد محمود بخاری نے ''سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں بیعت کے تقاضے'' کےعنوان پر اپنی گزارشات پیش کیں۔غلام مرتضیٰ صاحب آف راولپنڈی نے ''تسلیم ورضا کی حکمتیں اور راہ سلوک میں ان کی اہمیت'' کےعنوان سےخصوصی مقالہ پڑھا۔''انفاق فی سبیل اللہ بانی سلسلہ کی نظر میں '' کےعنوان سےحمزہ اسد صاحب نے اظہار خیال فرمایا۔ان کے بعد راولپنڈی کے بزرگ بھائی پیر خان توحیدی صاحب نے ایثار اور ہمدردی کےعنوان پرقرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل اور جامع مضمون پیش کیا۔مدیر مجلّہ فلاح آدمیت احمد رضا خان نے ذکراللہ کی اہمیت اور برکات کےعنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا۔اظہار خیال کا سلسلہ نماز ظہر تک جاری رہا۔۔

نمازظہر کی باجماعت ادائیگی کے بعد ظہرانہ پیش کیا گیا اور بھائیوں کو آرام کا موقع دیا گیا۔

سالانہ اجتماع سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے دوسرے دن کے دوسرے اور سب سے اہم اجلاس کی کاروائی کا آغاز نماز عصر کی ادائیگی کے بعد ہوا۔ دوسرے دن کا یہ اجلاس اس لیے بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہوتا ہے کیونکہ اسی اجلاس میں شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ اپنا سالانہ خطبہ ارشادفرماتے ہیں۔

اس اجلاس کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا جس کی سعادت حافظ بشیر احمد (مرحوم) کے صاحبزادے حافظ عبدالجبار نے حاصل کی۔ بعد ازاں نعت رسول مقبول ﷺ پیش کی گئی۔ جس کے بعد شیخ سلسلہ محمد یعقوب توحیدی نے اپنا سالانہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ حسب معمول نماز مغرب کے بعد حلقہ ذکر ہوا۔ حلقہ ذکر راولپنڈی کے بزرگ بھائی پیر خان صاحب نے کرایا اور قبلہ بابا جان نے خصوصی دعا فرمائی۔ حلقہ ذکر کے بعد طالب بھائیوں کے لیے نشست بیعت منعقد ہوئی۔ طالب بھائی اپنے اپنے خادمان حلقہ کے ہمراہ بابا جان کے پاس آئے اور توحیدیہ سلوک طے کرنے اور اللہ کی محبت و معرفت کے حصول کے لیے شیخ سلسلہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

نماز عشاء کے بعد کھانا پیش کیا گیا اور تقریباً دس بجے محفل سماع کا آغاز ہوا۔ شیخ سلسلہ جناب محمد یعقوب توحیدی اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئے جبکہ ان کے دائیں طرف ملتان کے بزرگ بھائی اور مجاز شیخ محترم جناب خالد محمود بخاری صاحب اور بائیں طرف مجاز شیخ محترم جناب عابد کبیر شاہ صاحب تشریف فرما ہوئے۔ رفاقت علی رفاقت قوال و ہمنوا آف نوکھر نے محفل سماع میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ اور اللہ کے حبیب حضرت محمد ﷺ کی محبت

سے لبریز کلام پیش کیا جس سے توحیدی بھائی خوب مسرور ہوئے۔ محفل سماع رات ایک بجے تک جاری رہی۔وقفہ کے دوران سبز چائے پیش کی گئی۔ محفل سماع کے اختتام پر ترانۂ توحیدیہ پڑھا گیا۔جس کے بعد شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ محمد یعقوب خان توحیدی نے خصوصی دعافرمائی جس میں تمام حاضرین ،مریدین سلسلہ اور ملک وقوم کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کی ترقی اور نشاۃ ثانیہ کے لئے خصوصی دعائیں کی گئیں۔

سلسلہ توحیدیہ کے اجتماع کے آخری دن اتوار کی صبح نماز فجر کے بعد ناشتہ کر کے تمام توحیدی بھائی اپنے قلوب میں تازہ ولولے اور جذبے لیے اس عہد کے ساتھ مرکز تعمیر ملت سے رخصت ہوئے کہ بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ''اصلاح معاشرہ و اتحاد ملت'' کا جو مشن ہمیں سونپا ہے اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھیں گے۔ یہ مقدس مشن ہر لحظہ ہمارے پیش نظر رہے گا اور اس میں ہر بھائی اپنا مقدور بھر حصہ ڈالے گا۔

توحیداوراس کے تقاضے بانی سلسلہؒ کی نظر میں

(عبد القیوم ھاشمی)

قرآن کریم کی روشنی میں اگر ہم جائزہ لیں تو ایمان جن تین حصوں پر مشتمل ہے وہ ہیں:

(1) توحید (2) رسالت (3) یوم آخرت

بانئ سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے جس وقت سلسلہ کی تنظیم فرمائی تو توحید کی تعلیم کو اسکی اساس اور بنیاد قرار دیا۔ چنانچہ آپؒ ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں: "حلقہ کی تنظیم کرتے وقت یہ سب حالات میرے پیش نظر تھے اور یہ سب باتیں میرے ذہن نشین تھیں۔ کئی ماہ تک دن رات غور وفکر کرتا رہا کہ کیا کرنا چاہیے، مگر کچھ بھی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ یکا یک ایک دن بجلی کی طرح ایک خیال دماغ میں آیا کہ سلسلہ کا نام توحیدیہ رکھنا چاہیے اور تعلیم کی اساس و بنیاد خالص توحید پر ہونی چاہیے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ القا تھا یا محض خیال مگر طبیعت اس پر جم گئی کہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ چنانچہ میں نے پہلے "تعمیر ملت" لکھی اور اس میں توحید باری تعالیٰ پر خاصے مدلل انداز میں بحث کی اور اس کے فوائد ایسی روشن دلیلوں سے ثابت کئے کہ شاید کوئی آنکھوں کا اندھا ہی ان سے انکار کر سکے۔ اس کے بعد میں نے "طریقت توحیدیہ" تحریر کی اور اس میں حلقہ کی تعلیم اور تنظیم صاف صاف قلمبند کر دی اور توحید کے متعلق اپنے عقائد کھول کھول کر بیان کر دیے لیکن افسوس کہ دوسرے تو رہے ایک طرف خود میرے اپنے حلقہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو خالص توحید کو نہیں مانتے۔ دوسروں سے تو مجھے کوئی غرض نہیں کوئی کچھ بھی مانا کرے۔ میرے پاس دوسروں سے بحث مباحثہ

کرنے بلکہ لڑنے جھگڑنے کیلئے فالتو وقت ہی نہیں ۔بقول اکبرالٰہ آبادی۔مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں: فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں ۔مگر اپنے حلقہ والوں سے تعرض کئے بغیر تو کسی طرح بھی نہیں رہ سکتا۔اگر میں اتنا بھی نہ کروں تو حلقہ توحید یہ قائم کرنے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔آج میری زندگی میں جب میرے حلقہ میں کچھ ایسے لوگ گھس آئے ہیں جو شرک اور توحید میں تمیز نہیں رکھتے تو میرے مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

یہ لوگ اللہ کے سوائے اور بھی چند ہستیوں کو قادر و توانا مانتے ہیں۔ان کا قول ہے کہ اولیاء اللہ بھی انسان کی تقدیر بدل سکتے ہیں۔جس کو چاہیں بنا سکتے ہیں اور جس کو چاہیں بگاڑ سکتے ہیں۔بس یہی بات شرک ہے۔اور اگر وہ یوں مانیں کہ یہ طاقت صرف اللہ ہی کو ہے کہ وہ لوحِ محفوظ پر اپنے لکھے ہوئے کو مٹا کر اور جو چاہے لکھ سکتا ہے اور وہ اپنے کسی مقبول بندے کی دُعا سے کبھی کبھی ایسا کر بھی دیتا ہے تو یہ لوگ شرک سے بھی بچ جائیں اور اولیاء اللہ کی بزرگی اور عظمت بھی قائم رہے"۔

اُمید ہے کہ سب بھائیوں نے انصاری صاحبؒ کی توحید کے متعلق تعلیم کو بخوبی سمجھ لیا ہوگا۔آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری توحید کی تعلیم وہی سیدھی سادی ہے۔جو قرآن کریم میں بیان ہوئی ہے۔لہٰذا صرف اللہ ہی کو اپنا حاجت روا، مشکل کشا مانو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔

کون ہے جو بے قرار (بے چین) کی دعا سنتا ہے! جبکہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے!

اللہ تعالیٰ نے کلمہ توحید اور شرک کے فرق کو مندرجہ ذیل آیت میں واضح فرما دیا:

" کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان کی ہے! وہ ایک پاکیزہ

درخت کی طرح ہے، جس کی جڑ (زمین میں) مضبوطی سے جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں جو اپنے ربّ کے حکم سے ہر وقت اپنے پھل لاتا ہے اور اللہ لوگوں کے سامنے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور ناپاک کلمے کی مثال ایک خراب درخت کی طرح ہے جسے زمین کے اوپر ہی اوپر اکھاڑ لیا جائے اسمیں ذرا بھی ٹھہراؤ نہ ہو"۔

(سورہ ابراہیم 24-26)

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ روزِ قیامت ماسوائے شرک کے ہر گناہ معاف کر سکتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا رسول اللہ ﷺ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا: یہ کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ حالانکہ اسی نے تمہیں پیدا کیا۔(**بخاری**:6811)

اس لئے تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآنی توحید کی طرف لوٹ آئیں ورنہ شرک کا عمل مسلمان کو بھی جہنم میں دھکیل دے گا۔لہٰذا ہمیں چاہیے کہ عبادات اور استعانت میں اپنے تمام معاملات خالص اللہ ربّ العالمین کیلئے مختص کر دیں۔قبلہ انصاری صاحبؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ایاك نعبدو و ایا ك نستعین ۔یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔اگر نماز میں یہ پڑھتے ہو تو اس پر عمل بھی کرو یا پھر اسے پڑھا ہی نہ کرو۔

قرآن کریم میں ذاتی توحید کو اللہ نے بار بار بیان فرمایا ہے اور اس کی سب سے عمدہ مثال سورہ اخلاص ہے۔اس ضمن میں ایک واقعہ یاد آ گیا۔عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اپنی سوانح حیات میں یہ واقع درج کیا ہے۔کہتے ہیں انگریز دور میں جیل میں قید تھا اور وہاں میں مولانا شاہ عبدالقادر دھلویؒ کا ترجمہ قرآن پڑھ رہا تھا۔سورہ اخلاص میں انہوں نے اللہ الصمد (بے نیاز) کا ترجمہ سنسکرت زبان کا لفظ "نراس ترک" لکھا ہوا تھا۔اس کا معنی مجھے

نہیں آ تا تھا۔اتفاق سے ایک ہندو پنڈت بھی میرے ساتھ ہی جیل میں قید تھا اور اسے سنسکرت زبان بھی آتی تھی۔میں نے پنڈت سے پوچھا کہ یہ "نراس ترک" کا کیا مطلب ہے۔تو پنڈت کافی دیر اس لفظ کو سن کر جھومتا رہا۔جب مجھ کو اس نے معنی بتایا تو مجھ پر بھی وجد سا طاری ہوگیا۔اس نے کہا نراس ترک اس ذات یا ہستی کو کہتے ہیں جس کا کام کوئی روک نہیں سکتا اور اگر وہ نہ چاہے تو کسی کا کام ہو نہیں سکتا۔ذاتی توحید کی تو سورہ اخلاص بہترین مثال ہے اور صفاتی توحید کی سب سے پیاری مثال آیت الکرسی ہے جسے نبی کریم ﷺ نے تمام قرآنی آیات کی سردار قرار دیا ہے۔ذاتی توحید اور صفاتی توحید پر تو ہر مسلمان اعتقاد رکھتا ہے مگر عملی توحید میں ہم بحیثیت امت مسلمہ بے حد زوال کا شکار ہیں۔اللہ کو قادر مطلق جاننے میں ہمارا عقیدہ کمزور ہے۔بانی سلسلہ کا یہ ہم سب پر احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں عملی توحید سکھائی۔کیونکہ اس معاملہ میں بڑے بڑے علمائے اسلام اور بظاہر بہت اچھے مسلمان بھی عملی توحید سے تہی دست ہیں۔کیونکہ عملی توحید ذکر کثیر یعنی اللہ کی یاد اور تزکیہ اخلاق اور سیرت وکردار میں ترقی کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔بقول علامہ اقبالؒ

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے؟ فقط ایک مسئلہ علم وکلام
روشن اس ضو سے اگر ظلمت کردار نہ ہو
خود مسلماں سے پوشیدہ ہے مسلماں کا مقام

اسی طرح شیطان اپنے کارندوں کو کہتا ہے۔بقول علامہؒ

تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساط زندگی میں اسکے سب مہرے ہوں مات

آج آپ دیکھ لیجئے کہ آج ہم بحثیت مسلمان اخلاق اور کردار میں کس قدر گر چکے ہیں ۔انصاری صاحبؒ نے اسی مرض کہن (بیماری) کا علاج ہمیں کردار سازی سکھایا ہے۔وہ ہے اپنی پوری زندگی کو اللہ کی یاد، تزکیہءاخلاق اور تسلیم ورضا کی راہ پر لگانا۔اس سلسلہ میں یعنی عملی توحید کو اپنی زندگی میں داخل کرنے کیلئے حضور نبی کریم ﷺ کی کامل اتباع اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساری زندگی عملی توحید کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔آپ علیہ السلام پر خالص توحید کا اسقدر غلبہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی طرز زندگی کو نہ صرف پسند فرمایا بلکہ حضور ﷺ کو بھی حکم دیا کہ آپ ﷺ بھی انکی پیروی فرمائیں ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ترجمہ: پھر ہم نے آپ پر بھی وحی کے ذریعے یہ حکم نازل کیا کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کے طرز حیات کو اپناؤ۔ جس نے اپنا رخ اللہ ہی کی طرف کیا ہوا تھا اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔(النحل 123)

یہی وہ عملی توحید اور خالص توحید کی اعلیٰ صفات تھیں جن کی بدولت آپ کی طرز زندگی کو "ملت ابراہیم" کا نام دیا اور جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حریص علیکم یعنی امت پر آپ ﷺ کی انتہائی رحمت کو بیان کرنا مقصود تھا۔اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کی توحید کا مرتبہ اسقدر بلند تھا کہ اس صفت کو بار بار اللہ نے فرمایا کان من المشرکین یعنی آپ علیہ السلام کی حیات طیبہ میں شرک کا شائبہ تک نہ تھا۔اور بالآخر امام الناس اور خلیل اللہ کے مراتب عطاء ہوئے۔

بانی سلسلہ توحیدیہ ہمیں ایسی ہی خالص توحید کی تعلیم فرما گئے ہیں اور یہ اللہ کی یاد، تسلیم و رضا اور ان کے اخلاق حسنہ کی پیروی سے ہی ممکن ہے۔

تسلیم ورضا کی حکمتیں اور راہ سلوک میں اس کی اہمیت ،

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات کی روشنی میں

(غلام مرتضیٰ ۔اسلام آباد)

کوئی بھی شخص جو مسلمان ہو اور اس کا تعلق کسی بھی سلسلہ سے ہو، وہ سلوک کی منازل طے کرنا چاہتا ہو تو اسے ذکرو اذکار کے علاوہ مجاہدہ کے عمل سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ مجاہدہ دراصل عربی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں جنگ کرنے والی ۔راہ سلوک میں جو لوگ مجاہدہ کے عمل سے گزر رہے ہوتے ہیں وہ جنگ ہی کر رہے ہوتے ہیں۔ پہلے وقتوں میں شیخ اپنے مریدوں سے جو مجاہدے کراتے تھے ان کا مقصد مرید کی طبیعت میں سے تختی ،غرور،غصہ،حسد وغیرہ اور دوسری چیزیں جاتی رہیں اور اس کی جگہ نرمی، شائستگی کے ساتھ انکساری پیدا ہو جائے اور مرید کو ہر حال میں خوش رہنا آجائے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں قبلہ انصاری صاحبؒ نے مجاہدہ کے ضمن میں صرف تین طریقے مقرر کیے اور مریدین کو ان پر عمل کرنے کی ہدایت فرمائی ۔یہ تین طریقے درج ذیل ہیں۔

قطع ماسویٰ اللہ

تسلیم ورضا

غصہ اور نفرت کی نفی

میرا موضوع چونکہ تسلیم و رضا ہے اس لیے میں اپنے آپ کو اس تک ہی محدود رکھوں گا۔لیکن ان تینوں طریقوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

مسند احمد سے نقل ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کو فرمایا ''اے لڑکے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں۔یہ کہ اللہ کو یاد رکھو وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔اللہ کو یاد رکھو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔جب تم مانگو تو اللہ ہی سے مانگو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ ہی سے مدد طلب کرو۔اور یہ یقین جانو کہ اگر پوری دنیا والے تمہیں نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائیں تو تمہیں اتنا ہی نفع پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ رکھا ہے۔اور اگر ساری دنیا والے تمہیں نقصان دینے پر تل جائیں تو اتنا ہی نقصان پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ رکھا ہے۔قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔''

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں سالک جب پاس انفاس، نفی اثبات، فرض نمازیں اور قرآن حکیم کی تلاوت بلا ناغہ کرتا ہے تو وہ دنیا کے تمام تفکرات اور آلام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے اور خود بے فکر ہو جاتا ہے اس کا اللہ پر یقین کامل ہو جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے کرنا ہے وہی ہوگا اور وہ جو کچھ کرتا ہے اچھا ہی ہوتا ہے۔پیارے بھائیو اس میں ایک چیز جو کہ قابل ذکر ہے وہ یہ کہ ہم تقدیر کو عمل سے مانتے ہوئے اپنی پوری کوشش کرتے رہیں گے لیکن نتائج کے لیے پریشان نہیں ہوں گے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو ان گنت نعمتیں دے رکھی ہیں اس کیلئے ہمیں ہمیشہ اس کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے اور کبھی اپنے خالق اور مالک کا گلہ اور زمانے کا شکوہ نہیں کرنا چاہیے۔قبلہ انصاری صاحب نے اپنی ''کتاب تعمیر ملت'' میں تسلیم و رضا کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے کہ جو واقعات تم کو اپنی مرضی کے خلاف

پیش آئیں ان کو من جانب اللہ سمجھو، نہ صرف اس پر صبر کرو، بلکہ خوشی سے برداشت بھی کرو۔ دوران سلوک یہ مشق کرانے کا مقصد یہ ہے کہ آلام و تفکرات تمہاری قوت عمل کو مفلوج نہ کر سکیں اور ہر حال میں خوش رہنے کی عادت پڑ جائے۔

قبلہ انصاری صاحبؒ اپنے آخری خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

''تم کو سوچنا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہر مصیبت ہمارے نام پہلے ہی لکھ رکھی ہے تو اس پر گھبرانا، رنج کرنا، مایوس ہونا، انتہائی ناشکری، کفران نعمت بلکہ ایک قسم کی بغاوت ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی مصیبتوں کو نعمت سمجھ لو تو تم کو دائمی مسرت جیسی نعمت حاصل ہو جائے جو کروڑوں اور اربوں روپوں میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی''

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں تسلیم و رضا کی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں اپنے عزائم میں کتنی ہی ناکامی ہو مایوس ہو کر عمل نہ چھوڑو اور ہمیشہ خوش رہو۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مدد پر یقین کامل رکھتا ہو تو اس کی قوت عمل ہزار گنا بڑھ جاتی ہے۔ وہ نہ تو سستی کرتا ہے نہ تھکتا ہے اور نہ ہراساں ہوتا ہے۔ برابر کام میں لگا رہتا ہے حتیٰ کہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

لیکن آج کل تسلیم و رضا کے یہ معنی لیے جاتے ہیں کہ کام نہ کرو، ہاتھ پاؤں توڑ کر گھر میں بیٹھے رہو جو کہ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''انسان کے لیے سوائے سعی اور کوشش کے اور کچھ نہیں'' اس لیے ہمیں تعلیم دی جاتی ہے کہ کوشش اور عمل سے کسی حالت میں دست بردار نہیں ہونا چاہیے۔

قبلہ انصاری صاحبؒ اکثر محافل میں فرماتے تھے کہ ہمیشہ محنت کرو، اگر میٹرک ہو تو

ایف اے کرو، کوئی ٹیکنیکل تعلیم حاصل کرو، اپنی عقل اور سوچ کو استعمال کرو اور دینی اور دنیاوی عمل میں آگے ترقی کرو۔ آپ کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے بہت سے بھائیوں نے ترقی کی اور اپنا نام کمایا۔

اس ضمن میں ایک بہت ہی پیاری بات جو میں کہیں پڑھ رہا تھا تو مناسب سمجھا کہ بھائیوں کو بھی سنا دوں۔ ''بندہ کو اگر اللہ تعالیٰ نے دو نعمتیں عطا فرمائی ہوں تو اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ اول تو یہ کہ ظاہراس کا اپنے مولیٰ کا فرمانبردار ہو یعنی ظاہر بدن سے طاعت اور عبادات میں مشغول رہتا ہو اور باطن کی حالت اس کی یہ ہو کہ قضا اور قدر رے جو احکام اس پر وارد ہوں خواہ طبعاً گوارہ ہوں یا نا گوار ان سب سے وہ راضی اور سر جھکانے والا ہو ان دو نعمتوں میں تمام دین اور دنیا کی خوبیاں جمع ہو گئیں۔

ایک مومن کے دل کی تسکین کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ سورۃ الحدید کی آیت 22-23 میں فرماتے ہیں۔

''نہیں آتی کوئی مصیبت زمین پر اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں بے شک یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔(ہم نے تمہیں اس لیے بتا دیا ہے) کہ تم غم زدہ نہ ہو اس چیز پر جو تمہیں نہ ملے اور نہ اترانے لگو اس چیز پر جو تمہیں مل جائے اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی مغرور شیخی باز کو''

قبلہ انصاری صاحبؒ نے جو ہمیں تعلیم دی ہے وہ یہی ہے کہ آپ سب کو رجائی (Optimist) بننا چاہیے یعنی ہر حالت میں خوش اور پر امید رہنا چاہیے۔ مایوسی اور بے حوصلگی کو اپنے نزدیک بھی نہیں آنے دینا چاہیے۔

Optimistیعنی رجائی لوگ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا قلب نیکی ، پارسائی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے طاقتور ہوتا ہے جو قرآن کے حکم کے مطابق ہمیشہ خوش رہتا ہے۔نہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ ہی خوف کھاتا ہے۔جو بڑے سے بڑے صدمے کا اپنے قلب پر اثر نہیں ہونے دیتا جو کبھی رنجیدہ اور مایوس نہیں ہوتا وہ اپنی قوت خیالی (توجہ) سے دوسروں کے دماغ تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے خیالات کو بدل دیتا ہے۔دوسرے وہ لوگ جو قنوطی یعنی (pessimist)ہوتے ہیں ۔ان کے قلب ہر وقت رنج والم اور رحمت خداوندی سے مایوس، کمزور رہتے ہیں۔ان کو نہ تو کوئی عزیز رکھتا ہے اور نہ ان کا کہنا مانتا ہے۔وہ لوگ ہمیشہ ناکام اور نامراد رہتے ہیں"۔

قبلہ صاحب نے تو ہمیں سب کچھ بتا دیا ہے اب ہماری مرضی ہے کہ ہم کیا پسند کرتے ہیں ۔یہ جو ہم میں مقابلہ بازی کی دوڑ آگئی ہے اس نے ہماری زندگیوں کو اور بھی پریشان کر دیا ہے۔دولت کا مقابلہ، جائیداد کا مقابلہ اچھے رہن سہن کا مقابلہ اسی طرح زندگی میں اور کئی مقابلے ہیں اس کو حاصل کرنے کے لیے حرام اور حلال سب کچھ جائز سمجھتے ہوئے ہر عمل کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔حتیٰ کہ اگر کسی کو قتل بھی کرنا ہو تو اس میں بھی کوئی عار نہیں سمجھتے ۔آپ لوگ اپنی زندگی میں ان کو دیکھیں جنہوں نے اللہ کی رضا کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے اور ہر حال میں اس کے شکر گزار بندے بنے رہے۔حضرت عثمانؓ کا فرمان ہے کہ اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا دنیا کی جنت ہے اور جس نے طمع چھوڑ دی وہ اللہ کا محبوب ہے۔

ایک حدیث قدسی جو کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو بندہ دنیا میں میرے دیئے ہوئے تھوڑے رزق پر راضی ہو جائے میں قیامت کے دن

اس کے تھوڑے اعمال پر راضی ہو جاؤں گا۔

تسلیم ورضا کے بارے میں جو آخری بات ہے اور طریقت تو حیدیہ میں درج ہے وہ یہ کہ ”یہ کیسی بندگی اور کہاں کی عبودیت ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ تمہاری مرضی کے مطابق تمہارے کام کرتا رہے یعنی صحت، دولت، مسرت اور دوسری نعمتیں تم کو دیتا رہے اس وقت تک تو تم اس سے خوش رہو، اس کو یاد کرو، اس کا شکرادا کرو اور جب یہ کام تمہاری مرضی کے مطابق نہ ہوں یعنی جب کوئی بیماری تم کو یا تمہارے متعلقین کو آن دبائے یا فاقے ہونے لگیں یا دوسرے تفکرات تم کو گھیر لیں تو تم اللہ سے ناراض ہو جاؤ۔ اس کی عبادت چھوڑ دو اور شکایتیں کرنے لگو۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نہیں رہنا چاہتے بلکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتے ہو۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار اور عرفان کبھی نصیب نہیں ہوگا۔ البتہ جو سالک ان آزمائشوں میں کامیاب ہو جاتے ہیں وہ تقرب، دیدار اور عرفان کی لازوال دولت سے کبھی محروم نہیں رہتے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے مقربین میں شامل رکھے، جن کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار لکھ رکھا ہے جو کہ ہمارے سلسلہ میں ایک سالک کی انتہا ہے!!!

بیعت کے تقاضے

بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی نظر میں

(شہزاد محمود بخاری)

لفظ بیعت کے معنی عہد کرنا، اطاعت کرنا، سودا کرنا، خواہ یہ سودا جان و مال کا ہو یا کسی اور ذمہ داری کا۔ دراصل بیعت اس معاہدے کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے مابین مرشد کریم کی موجودگی میں طے پاتا ہے، بندہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی جان و مال قربان کرنے کا عہد کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے بدلے میں جنت دینے کا وعدہ فرماتے ہیں مرید اپنے آپ کو بیچ دیتا ہے اور بیعت سے شیخ سے ارادت وعقیدت، خلوص و محبت کا رشتہ استوار ہو جاتا ہے۔

بیعت ارشاد کے معنی بیعتِ تزکیہ، بیعت تقویٰ اور راہبری اور راہنمائی کی بیعت۔ جس کا مطلب ہے عزیمت کی بیعت یعنی ظاہر و باطن سے اوامر الٰہی پر کاربند رہنے اور نواہی سے بچنے کا عزم مصمم کرنا اور بلاچون وچرا اپنے شیخ و مرشد کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا، اس کی اتباع میں دل و جان سے کاربند رہنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا دلی تعلق مضبوط سے مضبوط تر کرنا۔ تعلیم طریقت و تہذیب اخلاق میں محنت کرنا اور آئندہ شیخ کی راہنمائی میں دین پر چلنے کا عہد کرنا ہے۔ طریقت اور بیعت لازم و ملزوم ہیں اصلاح نفس و تزکیہ باطن کیلئے شیخ کامل سے اصلاحی تعلق استوار کرنا لازم ہے مرشد کامل جو راہ سلوک کے پیچ و خم سے

آگاہ ہوتا ہے اس کی راہنمائی کے بغیر کوئی منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔ بیعت کا مقصد یہ ہے کہ مرید اپنی روحانی تربیت کیلئے، اپنی زندگی احکام شریعت کے مطابق ڈھال سکے۔

اس سلسلہ میں قبلہ انصاریؒ کے اقتباسات پیش ہیں:

''مسلمانوں میں ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو بیعت یا پیری مریدی کا قائل ہی نہیں ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگر وہ قرآن پر عمل کرتے ہیں اور اچھے مسلمان ہیں تو ضروری نہیں کہ وہ کسی کے مرید ہوں۔ بیعت فرض نہیں ہے، لیکن جو لوگ بیعت ہونا چاہتے ہیں اور اس کے لئے شرعی جواز کے متلاشی ہیں، ان کی معلومات کے لئے یہ عرض کر دینا مناسب ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کو مختلف اغراض و مقاصد کیلئے بیعت فرمایا ہے

بیعت کا تعلق سنت نبوی ﷺ سے ہے اور بیعت ان سنتوں میں شامل ہے جو دین کے احکامات سے وابستہ ہیں اور قرآن میں اس کا ذکر یوں آیا ہے۔

ترجمہ:۔اے محمد ﷺ! جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے، جو اس عہد سے پھرتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے، اور جو اس عہد کو پورا کرتا ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔(الفتح۔10)

اس سے ثابت ہوا کہ بیعت جائز ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد وہ لوگ بھی بیعت لے سکتے ہیں جو بجا طور پر نائب رسول ﷺ ہیں۔ بیعت کیا ہے؟ یہ ایک عہد ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو کسی بزرگ کو گواہ بنا کر یا رسم کے مطابق ہاتھ میں ہاتھ دے کر کیا جاتا ہے کہ میں فلاں فلاں معائب سے مجتنب رہوں گا اور فلاں فلاں محاسن پر عمل کروں گا

رسول اکرم ﷺ کے بعد اب تک جو ہزارہا اولیاء کرام گزرے ہیں، ان سب نے

بیعت کی اور بیعت لی ہے، تو کیا یہ سب نعوذ باللہ غلط اور گمراہ تھے۔ یہی تو وہ بزرگ ہستیاں ہیں جنہوں نے چار دانگ عالم میں اسلام کا نور پھیلایا، لاکھوں آدمیوں کو بیعت کر کے ان کا اخلاق درست کیا اور ہزاروں کو ولی اللہ بنایا۔ کیا آج کوئی شخص یہ جسارت کر سکتا ہے کہ ان کی بزرگی اور صداقت پر انگلی اٹھائے۔

بیعت یا ''پیری مریدی'' کیا چیز ہے، مرید کس کو ہونا چاہئے اور کس لئے ہونا چاہئے۔ افسوس کہ فی زمانہ نماز روزے کی طرح پیری مریدی بھی ایک رسمی چیز رہ گئی ہے۔ بہت سے لوگ اس عقیدے سے بیعت ہوتے ہیں کہ خواہ عمر بھر برے کام کرتے رہیں قیامت کے دن پیر صاحب کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گے اور بخشے جائیں گے۔ یہ عقیدہ غلط ہے۔ ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ پیر صاحب کسی کو بھی نہ بخشوا سکیں گے، ان کو تو اپنی ہی پڑی ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت بالکل برحق ہے لیکن شفاعت کے بھروسے پر جان بوجھ کر نیک اعمال نہ کرنا اور ساری عمر گناہوں اور بدکاری میں صرف کر دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ رسول اللہ ﷺ بھی تو انہی کی شفاعت کریں گے جو شفاعت کے اہل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ہماری جناب میں کوئی بھی کسی کی شفاعت نہ کر سکے گا مگر وہ جن کو ہم خود حکم دیں، ظاہر ہے کہ رسولوں اور علی الخصوص ہمارے رسول ﷺ سے بڑھ کر کون اس حکم الٰہی کا مستحق ہو سکتا ہے، اس لئے شفاعت کا عقیدہ رکھتے ہوئے بھی نیک اعمالی کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔

اکثر لوگ دنیاوی برکتوں کے لئے مرید ہوتے ہیں، یہ بھی غلط ہے۔ ان لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ پیر صاحب نہ کسی کو دولت بخش سکتے ہیں، نہ اولاد عطا فرما سکتے ہیں، نہ کسی کی تقدیر بدل سکتے ہیں، نہ مقدمہ جتا سکتے ہیں، نہ آنے والی مصیبتوں سے بچا سکتے ہیں۔

سورہ الحدید میں ہے کہ

"کوئی مصیبت نہیں آتی جو اللہ تعالیٰ نے پہلے کتاب میں نہ لکھ دی ہو"

اب بتایئے کہ اللہ تعالیٰ کے لکھے کو پیر صاحب کس طرح بدل یا روک سکتے ہیں،

ایسے عقیدے ہرگز نہیں رکھنے چاہئیں، یہ سب شرک ہیں۔ سورہ الجن میں اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ سے خطاب کرتا ہے "فرما دیجئے کہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے تمہارا برا، بھلا"

اب فرمایئے جب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں بھی کسی کا برا بھلا نہیں تو پیر صاحب کس شمار میں ہیں۔ اکثر لوگ اس خیال سے بیعت ہوتے ہیں کہ جب بزرگ بن جائیں گے تو عیش کریں گے۔ مریدوں کا حلقہ ہوگا، نذرانے ملیں گے، دولت دنیا کی افراط ہوگی یا یہ کہ مٹی کو پھونک مار کر سونا بنا لیں گے، موت اور زندگی پر اختیار حاصل ہو جائے گا اور عزت ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ تو ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ فقر اور ولایت تو محض عبودیت اور بندگی ہے کبریائی نہیں ہے اور بزرگی کے ذریعہ حصول مراتب و دولت کا خیال تو محض دنیاداری ہے خدا کی محبت نہیں ہے، ایسے لوگوں کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ مرید ہونے کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسان کے اخلاق کی اصلاح ہو، صحیح قسم کی عبادت کرنا آئے، ایمان کامل پیدا ہو، عالم روحانی کا علم، اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قسمت میں ہو تو رویت باری تعالیٰ کا شرف جیتے جی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ الزمر میں فرمایا ہے:

"شیطان کہنے لگا تیری عزت کی قسم میں ان سب (انسانوں) کو بہکاؤں گا سوائے ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں"

یعنی جو لوگ خالص اللہ کی محبت کیلئے بیعت ہوتے ہیں ان پر کبھی شیطان کا بس نہیں چلتا یعنی جب ہمارا مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی محبت کا حصول ہوگا تو شیطان کے

ہتھکنڈوں سے ہم بالکل محفوظ ہو جائیں گے اور اگر خدانخواستہ ہمارے مقاصد اللہ کی محبت کے علاوہ کچھ اور ہیں تو ہم شیطان کا تر نوالہ ثابت ہونگے اور شیطان ہماری کئی سالوں کی محنت سے کمائی ہوئی روحانیت اور بزرگی کو آخری وقت میں بہترین انداز میں زمین پر دے مارے گا پھر دنیا تو خراب ہوگی ہی لیکن آخرت میں بھی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہمیں چاہیے کہ اللہ اور اس کی محبت سے کم کسی چیز پر بھی راضی نہ ہوں اس سے کم کوئی مقصد نہ بنائیں۔ مقصد یا ٹارگٹ جتنا بڑا ہوگا ہمارا کردار بھی اسی کے مطابق بہتر ہوتا چلا جائے گا۔ جب ہمارا مقصد سب سے بلند یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو اس کے نتیجہ میں ہمارا کردار خود بخود بہترین ہو جائے گا

بیعت کے جامع تقاضے تو سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بیعت نامہ میں درج ہیں لیکن مختصراً یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ذات وصفات ہر لحاظ سے واحد سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی سے ڈرا جائے اور نہ کوئی توقع رکھی جائے نہ کسی پیر فقیر، امام، ولی یا نبی کو کسی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا جائے۔ ہر قسم کی غیر اللہ پرستی کو شرک اور کفر سمجھ کر قولاً فعلاً یا خیالاً ہمیشہ اس سے اجتناب کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس سے محبت کو روز بروز بڑھایا جائے

اس بات پر یقین محکم رکھا جائے کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے اور آخری رسول اور نبی ہیں۔ اور یہ کہ ازل سے ابد تک کوئی بشر نیکی اور خوبی میں نہ حضور ﷺ سے افضل ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ قرآن کریم کا ہر لفظ لازمی طور پر قابل یقین اور قابل اتباع ہے۔ اپنے کسی قول وفعل یا حرکت سے کسی انسان کو دکھ، رنج، تکلیف یا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ غصہ اور نفرت کو قطعی نفی کیا جائے عالمگیر محبت اور صداقت کو زندگی کے ہر شعبہ میں اپنا شعار بنایا جائے۔ فرائض منصبی، حقوق اللہ و حقوق العباد کو پوری طرح ادا کیا جائے۔

عیب پوشی

(مولانا فضل الرحمٰن بن محمد الازہری)

سورۃ الحجرات کی ایک آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے خطاب فرما رہے ہیں اور ان کو حکم دے رہے ہیں کہ ''زیادہ بدگمانیوں سے بچو''۔

''بے شک بعض بدگمانی گناہ ہے اور نہ کسی کے عیب تلاش کرنے کی ٹوہ میں رہو اور نہ ہی بعض،بعض کی غیبت کرے۔کیا کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے پھر تم اسے ناپسند کرو۔اللہ سے ڈر جاؤ بے شک اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دریافت کیا:

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص پانی پر چلے اور اس کے پاؤں گیلے نہ ہوں۔صحابہ نے عرض کیا اللہ کے رسول ایسا تو ممکن نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: یہی مثال دنیا دار کی ہے۔ جو اس دنیا میں آتا ہے وہ گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔''

رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کا طواف کرتے ہوئے فرمایا: کہ تو کتنا پاک گھر ہے تیری کیسی اچھی خوشبو ہے۔تو کتنی عظمت وحرمت والا ہے۔لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔مومن کی حرمت اس کے مال و جان کی حرمت اور اس کے ساتھ نیک گمان کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے۔(ابن ماجہ،جامع الترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص سے کسی نہ کسی صورت میں گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں یا سرزد ہونے کا امکان موجود رہتا ہے۔جب ہر انسان خود گناہ کی زدّ میں رہتا ہے تو پھر کسی

اپنے بھائی کی برائی یا غلطی کو دیکھ کر خوش کیسے ہوسکتا ہے؟ اسی پر اکتفا نہ کرے بلکہ اس کی تشہیر بھی کرتا پھرے تو یہ کسی بھی حال میں اسلامی تعلیم کے مطابق نہیں ہوگا۔ اس لئے قرآن نے بدگمانی تجسس اور غیبت سے روکا ہے۔ کیونکہ جب کسی مسلمان بھائی کی غیبت جوئی کی جائے گی تو وہ دوسروں کے سامنے ذلیل و رسوا ہوگا۔ لہٰذا مسلمان کا کام اپنے بھائی کو ذلیل و رسوا کرنا نہیں بلکہ اپنے بھائی کی پردہ پوشی کرنا ہے۔ اس کا خیال رکھنا ہے اس کی خیر خواہی کرنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ظلم کیلئے دوسروں کے حوالے کرتا ہے۔ جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت کو پورا کرنے میں لگ جاتا ہے اللہ اس کی حاجت پوری کر دیتا ہے۔ جس نے کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کیا تو اللہ اس سے قیامت کے دن کی تکالیف میں سے اس کی تکلیف دور کرے گا جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی۔ اللہ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

"بے شک اللہ ایک مومن کو اپنے پہلو میں لیں گے اور اس سے کہیں گے کیا تو اِس اِس گناہ کو پہچانتا ہے۔ تو وہ کہے گا ہاں اے میرے ربّ۔ یہاں تک کہ اللہ اس سے تمام گناہوں کا اعتراف کروالیں گے۔ وہ مومن اپنے دل میں سمجھے گا کہ وہ ہلاک ہوگیا۔ لیکن اللہ فرمائے گا۔ میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی اور آج بھی میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ پس اس کو اس کی نیکیوں کی کتاب دے دی جائے گی۔" **(بخاری)**

اس سے واضح ہوا کہ انسان کا گناہوں سے بچنا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ لہٰذا عافیت اسی میں ہے کہ بجائے کسی بھائی کے عیب کو تلاش کیا جائے انسان کو چاہئے کہ اپنے عیبوں پر نظر رکھے اور ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کرے۔ اگر کسی بھائی کا کوئی عیب نظر بھی آجائے

تو اس کی پردہ پوشی کرنی چاہئے اس لئے کہ اس میں بڑا ہی اجر و ثواب ملتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس نے مومن کی پردہ پوشی کی گویا کہ اس نے جہالت کے زمانے میں زندہ درگور کی گئی لڑکی کو اس کی قبر سے زندہ کروالیا۔'' (ابن کثیر)

معاویہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ ''اگر تو لوگوں کی پوشیدگیاں اور ان کے راز ٹٹولنے کے درپے ہوگا تو تو ان کو بگاڑ دے گا یا ممکن ہے تو ان کو خراب کر دے۔'' (ابن کثیر)

یہاں اس بات کا خیال بھی رکھنا چاہئے کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو اپنے عیوب خود عیاں کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا راز فاش کرنے والا نہیں ہوتا۔ اس میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت بخشی جائے سوائے اعلانیہ گناہ کرنے والوں کے اور بے شک بے حیائی میں سے ہے کہ آدمی رات کو عمل کرے اور صبح اس حال میں کرے کہ اللہ نے اس پر پردہ ڈالا لیکن وہ کہے اے فلاں رات میں نے ایسے ایسے کیا۔ جب کہ اس کے رب نے رات سے اسکی پردہ پوشی کی اور صبح ہوتے ہی اللہ کی طرف سے ڈالے جانے والے پردے کو اس نے خود ہی کھول دیا۔''

دوسروں کی عیب پوشی کے ساتھ ساتھ اپنی بھی عیب پوشی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن عقل مند انسان وہی ہے جو اس دنیا میں اپنی اصلاح کرے اور اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے بچانے کی کوشش کرے۔ اللہ ہمیں قرآن وسنت کے مطابق اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جہاد اور شہادت، قرآن کریم کی روشنی میں (آخری قسط)

(گزشتہ سے پیوستہ)　　(مولانا محمد اسحاقؒ)

شریعت چل رہی تھی، پھر لوگوں کو کہا کہ آؤ دیکھو یہ کتنا اچھا نظام ہے، اسے اپنے ملکوں میں نافذ کرو۔ اسی لیے ان کو لڑنے کی ضرورت کم پڑتی تھی۔ مسلمانوں کے اچھے روّیے کی وجہ سے دوسرے ملکوں کی عوام خود ان کا ساتھ دیتے تھے کہ یہ نظام تو بہت اچھا ہے، اسے ہر جگہ نافذ ہونا چاہیے۔ دین کا ایک حصہ مذہب، عقیدے اور عبادتیں ہے۔ وہ ہم زبردستی نہیں منوائیں گے۔ کوئی ہندو رہے، عیسائی رہے، وہ دوزخ میں جانا چاہے تو ٹھیک ہے۔ لیکن دین کا دوسرا حصہ کہ بدمعاشی نہیں ہونے دیں گے، ظلم نہیں ہونے دیں گے، یہ کفار کے ممالک میں بھی نہیں ہونے دینا تا کہ ان ممالک کی عوام کو بھی سکھ اور آرام ملے۔ یہ ہے وہ جہاد جس کا ایک حصہ قتال ہے کہ لڑنا پڑے تو لڑیں گے جو کہ بعد کی بات ہے۔ مگر پہلے یہ بندوبست تو کرو کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ دین کو جانے اور وہ بڑا عالم بنے۔ آپ اس وقت برا نہ منائیں، مختلف مذاہب میں بھی میرے دوست ہیں، میں انہیں جانتا ہوں۔ ان کا چھوٹا سا بچہ بھی اپنے مذہب کا عالم ملے گا۔ ہم تو دین کی موٹی موٹی باتیں بھی نہیں جانتے تو کیا فائدہ! اس لیے دین سیکھو۔ دین کو دنیا میں پھیلانے کے لیے جتنے جتن ہو سکتے ہیں، تبلیغ کے ذریعے، کتابوں کی اشاعت کر کے، مدارس قائم کر کے، میڈیا کے ذریعے، ممبر و محراب کے ذریعے علم پھیلاؤ، یونیورسٹیاں بناؤ، اکیڈمیاں بناؤ کہ دنیا ہار مان لے کہ واقعی دین اسلام کی ایک ایک بات لاجیکل اور منطقی ہے۔ جب تک ہم یہ کام نہیں کرتے قرآن کی یہ بات ہمیں پکارتی رہے گی" **وجاهدوهم به جهادا كبيرا** " قرآن کے ذریعے پہلے سارا زور لگا لو بعد میں دیکھا جائے گا، کچھ گندے دانے رہ گئے تو نبٹ لیں گے۔ قرآن کا علم نہیں اور ہمارے اپنے ملکوں میں دین نہیں۔

آپ نہیں جانتے کہ ہمارے اسلامی ملکوں میں کیا ہو رہا ہے، میں کیا بیان کروں۔ سیاست کی ضرورت نہیں، مگر آپ سب جانتے ہیں کہ کافر ملکوں کی پھر بھی کوئی عزت ہے، ہندوستان کا کیوں لوگ احترام کرتے ہیں۔ کافر ہے، بے ایمان ہے مگر اس کے ہاں جمہوریت ہے، عدلیہ آزاد ہے، عدالت صدر اور وزیر اعظم کو بلا لیتی ہے، یہاں ایسا کچھ نہیں، پہلے ہی فون کر کے پوچھ لیا جاتا ہے کہ کیا فیصلہ کرنا ہے۔ اسلام ہے یہاں!

آپ جہاد کے نام پر جو جانیں ضائع کر رہے ہیں یہ جانیں اگر اسلام کی تبلیغ کیلئے وقف ہوتیں تو یہ بچے اسلام کے گل سر سبز ثابت ہوتے، اسلام کی خدمت کرتے۔ بچوں نے جانیں دیں، اللہ ان کی جانیں قبول فرمائے، مگر جوان کو رہنمائی دے رہے ہیں وہ ظالم ہیں کہ دین کا کام ان بچوں سے نہیں لیتے۔ اس کی بجائے انہیں مروانے میں لگے ہوئے ہیں اور دین کا کام جو ساری دنیا میں ہمیں پکار رہا ہے، صفر ہے! خدا کے لیے اس کے لیے نکلو، دین کو دنیا میں پہنچاؤ، کافروں کو جنت میں لے جانے کی کوشش کرو۔ دنیا میں عیسائی، ہندو، کافر موجود ہیں انکے پاس جا کر دین کے سچے ہونے کی گواہی دینی پڑے گی۔ ان سے اسلام کا اقرار کرانا ہوگا تبلیغ کے ذریعے سے لیکن یہ کام چھوڑا ہوا ہے اور صرف مرنے مارنے کو پکڑ لیا ہے جس کی وجہ سے پوری دنیا دشمن ہو گئی ہے کہ مسلمان شرارتی ہیں، دہشت گرد ہیں۔ ہماری شامت آ گئی ہے اور نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلا۔

میری اگر یہ باتیں ناگوار گزریں تو میں معذرت خواہ ہوں، مگر کڑوی کسیلی باتوں پر سوچنے کی تکلیف کریں۔ بڑے بڑے عالم پیدا کریں۔ ایک ہی عالم تھا شیخ احمد دیدات، اللہ رحمت فرمائے، زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا، معمولی سا کاروبار تھا۔ بس ایک کتاب ملی انہیں ایک عالم دین جو یہاں سے ہجرت کر کے مکہ گئے ہوئے تھے، مولانا مہاجر مکیؒ۔ ان کی لکھی ہوئی کتاب ''اظہار الحق''۔ انہیں ملی، جس کے بارے میں اس وقت انگلش کتابوں میں لکھا کہ جہاں جہاں یہی کتاب اظہار الحق پڑھی جائے گی، عیسائی مشنری کامیاب نہیں ہو سکتی۔

بائبل عیسائیوں کو ثابت کیا کہ تم غلط ہو، آؤ میدان میں۔ اب اس کا ترجمہ بھی مولانا تقی عثمانی صاحب کے مدرسے نے ''بائبل سے قرآن تک'' کے نام سے تین جلدوں میں کر دیا ہے۔ یہ کتاب انہوں نے پڑھی۔ اتنے بڑے عالم نہیں تھے مگر یہ کتاب انہوں نے اپنے اندر رچالی پھر آپ جانتے ہیں پوری دنیا میں عیسائیوں کے ساتھ ان کے مذاکرات ہوتے رہے اور عیسائی پادریوں کے انہوں نے گھٹنے ٹیک دیے اور پورے عالم عیسائیت میں زلزلہ آ گیا۔

ایسے بندے پیدا کرو خدا کے لیے۔ وہ سب سے بڑے مجاہد ہیں۔ قرآن میں کہا گیا ہے:

" و جاھدو بہ جھادا کبیرا " کچھ اس طرف بھی توجہ کرو۔ لاکھوں کروڑوں ایسے عالم پیدا کرو جو دنیا کی سب زبانوں کے ماہر ہوں، کیمسٹری کے ماہر، بیالوجی کے ماہر، وہ آکسفورڈ میں جائیں، کیمبرج میں جائیں، کافروں کی یونیورسٹیوں میں جائیں اور وہاں کھڑے ہو کر ان کو للکاریں کہ آؤ اپنے علم کی روشنی میں ہم سے بات کرو۔ ہم تم سے منوائیں گے کہ خدا ہے اس کی طرف سے قرآن اترا ہے۔ یہ کام ہے کرنے کا، اصل جہاد، جہاد کبیرا۔ اس میں کامیابی ہو گئی تو بہت سے کافر تو ویسے ہی اسلام میں آ جائیں گے۔ ان سے لڑنے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ اور جو پھر شرارتوں سے باز نہیں آئیں گے تو ہم بزدل نہیں ہیں کہ چھپ جائیں گے۔ ہم ان سے لڑیں گے، ان کو اسلام میں لائیں گے یا اپنی گردن دے دیں گے یہ بعد کی بات ہے۔ اس لیے آپ قتال کو الگ رکھیں، جہاد کو الگ رکھیں۔ میدان جنگ میں لڑنے کی شہادت کو الگ رکھیں اور جو شہادت دینا ہر کلمہ گو کا فرض ہے کہ اس کی ہر بات سے یہ ٹپکے کہ واقعی یہ دین کو سچا مانتا ہے۔ کسی بات سے کفار کو یہ بو نہ آئے کہ یہ کہتا ہے کہ میں قرآن کو مانتا ہوں مگر عمل اس کے خلاف کرتا ہے۔ یہ منافقت اور دو رنگی ہم میں نہیں ہونی چاہیے۔ کرنے کا کام اصل میں یہ ہے۔

خاموشی

(واصف علی واصفؒ انتخاب:عبدالرشید ساہی)

خاموش انسان،خاموش پانی کی طرح گہرے ہوتے ہیں۔خاموشی خودایک راز ہےاور ہرصاحب اسرارخاموش رہناپسند کرتا ہے۔خاموشی دانا کازیور ہےاوراحمق کا بھرم۔ خاموشی میں عافیت ہے اگر ہم زبان کی پھیلائی ہوئی مصیبتوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ خاموشی میں کتنی راحت ہے زیادہ بولنے والا انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ سچ اور جھوٹ کو ملا کر بولے۔

اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ سوچ سکے کہ کیا کہنا ہےاور کیا نہیں کہنا۔ فطرت کے عظیم شاہکار ایک مستقل اور مسلسل سکوت میں ہیں پہاڑوں کے عظیم وسیع سلسلے خاموش ہیں۔اس خاموشی میں کتنی داستانیں پنہاں ہیں۔اس سکوت میں کتنی ہیبت ہے۔ اس سناٹے میں کتنے راز ہیں۔پہاڑ اپنے پہلو میں کتنے گنجینے رکھتے ہیں۔کوئی کیا جانے کوئی کیا سمجھے! پہاڑوں کے اندر خزانے ہیں، پہاڑوں کے اوپر خزانے ہیں۔پہاڑوں کے پتھر بھی عجب راز ہیں۔سب خاموش،سب ساکت۔کبھی کبھی اس مہیب سناٹے میں ہوائیں چیختی ہیں۔ہوا کی آواز پہاڑوں کی خاموشی کواورزیادہ واضح کر دیتی ہے۔پہاڑوں سے گرنے والی آبشاریں اوران کی آواز،خاموشی کوزیادہ معنی خیز بنا دیتی ہے۔خاموشی کااثر اس وقت گہرا ہوتا ہے جب چھوٹی سی آواز گونج پیدا کرے۔پہاڑوں میں جب آوازیں گونجتی ہیں، سناٹے اور

زیادہ مہیب ہو جاتے ہیں۔ پہاڑوں کی خاموشی،فطرت کی خاموشی ہے۔اہلِ دل حضرات پہاڑوں میں اپنا مسکن بناتے ہیں اوراس میں یہی راز ہے کہ وہ فطرت کے قریب ہونا چاہتے ہیں اور فطرت بالعموم خاموشی اختیار کرتی ہے۔

ہماری زندگی کا بیشتر حصہ خاموشی میں گزرتا ہے۔دن ہنگاموں اور آوازوں کی نظر ہوتا ہے اور رات خاموشی کی جلوہ گری ہوتی ہے۔محنت سے تھکے ہوئے انسان خاموش ہوجاتے ہیں۔چرند پرند سب خاموش۔گرمیٔ بازار ختم ہو جاتی ہے اور بند دکانیں یوں نظر آتی ہیں جیسے بے ربط آوازوں کے لبوں پر تالے پڑے ہوں۔آواز،انسان کو دوسرے سے متعارف کرتی ہے اور خاموشی اپنے آپ سے متعارف کراتی ہے۔دوسروں کو قائل کرنے کی کوششیں آواز کے کرشمے ہیں۔خود کو مطمئن کرنا خاموشی کا اعجاز ہے۔زندگی ایک ایسا راز ہے، جو اپنے جاننے والوں کو بھی راز بنا دیتا ہے۔زندگی کا دریا،خاموشی سے رَواں دَواں ہے۔ اس میں آوازوں کی موجودگی،اس کی خاموشی کو گہرا کر دیتی ہے۔زندگی سراپا اور سربستہ راز ہے اور راز ہمیشہ خاموش ہوتا ہے۔اگر خاموش نہ ہو،تو راز نہیں رہتا۔کہتے ہیں ایک شخص زندگی کے راز کی تلاش میں سرگرداں تھا اس نے بہت سے لوگوں سے رازِ ہستی دریافت کیا۔ کسی نے کچھ نہ بتایا وہ بہت گھبرایا، بہت پریشان ہوا،چیخا چلایا،آخر کار کچھ مایوس سا ہو کر خاموش ہوگیا۔ایک خاموش رات اِسے اپنے اندر سے آواز آئی ''نادان! لوگوں کے دروازے کھٹکھٹانے سے رازِ ہستی کیا ملے گا! تو نے اپنے دل کے دروازے پر بھی دستک دی ہوتی!'' اُس نے اپنے اندر سے آنے والی آواز کو سنا، سوچا اور غور کیا۔اسے معلوم ہوا ۔جو معلوم ہوا،سو ہوا،اور وہ خاموش ہوگیا۔یہ راز عجب راز ہے۔انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔راز کی تلاش،کسی بیرونی سفر کا نام نہیں یہ راز اندر کا سفر ہے۔اندر کے انسان سے

راز ملتا ہے اور خاموشی میں ملتا ہے اور ملنے کے بعد خاموش کر دیتا ہے۔ایسی خاموشی جس پر گویائی نثار ہو۔انسان کا اصل ساتھی ،اصل رہبر اس کا اپنا ذوق ہے۔اس کی اصل منزل ،اس کا اپنا آپ ہے۔اپنے من میں ڈوبنے کی دیر ہے، گوہر مراد مل جاتا ہے۔آواز حجاب ہے ،خاموشی کشفِ راز ہے۔باطن کا سفر،اندرون بینی کا سفر،من کی دنیا کا سفر،دل کی گہرائیوں کا سفر،رازِ ہستی کا سفر، دیدہ دوری کا سفر،چشم بینا کا سفر،حق بینی وحق یابی کا سفر،خاموشی کا سفر۔

علم البیان کے خلاف بات نہیں ہو رہی۔ جب راز دریافت کرنا ہو،تو خاموشی ضروری ہے۔اس کے بعد اس کا اپنا حکم ہے کہ انسان کو بولنے دے یا خاموش کر دے۔ویسے انسان کی عافیت کیلئے خاموشی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔فطرت کے کرشمے خاموشی سے جلوہ آرا ہیں۔سورج ہی کو لیں اس نے کبھی اپنی روشنی کے ثبوت میں کچھ دلائل نہیں دیئے، بلکہ آفتاب خود ہی دلیل آفتاب ہے، وہ خاموشی سے دنیا کو روشنی دیتا ہے۔کسی سے شکریے کے دو لفظ سننے کا بھی انتظار نہیں کرتا۔ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ سورج کا مذہب ہی روشنی ہے اور روشنی خاموش رہتی ہے۔احسان ہمیشہ خاموش رہتا ہے۔جتایا ہوا احسان ضائع ہو جاتا ہے چاند خاموش ہے کتنا خوبصورت! کتنا منور! کیسا روشن! کیسا راز! کیا کیا کرشمے ہیں خاموشی میں کروڑوں ستارے ہیں، اپنی اپنی منزل پر گامزن۔کوئی شور نہیں! کوئی ہنگامہ نہیں ،کوئی تقریریں نہیں۔ستارے بڑے پر اسرار ہیں، چل رہے ہیں ،اپنے اپنے مقرر شدہ مدار میں رواں دواں، خاموشی اور اطمینان کے ساتھ۔فطرت کے مناظر،فطرت کے جلوے، کرشمے، فطرت کی زبان خاموشی کی زبان ہے۔ایک تماشا ہے۔سارا عالم تماشائی ہے۔آسمان پر کرشمے ہیں زمین پر جلوے ہیں۔سب خاموش ہیں۔صحرا کی وسعتیں عظیم وسعتیں،خاموش ہیں۔کتنا گہرا راز ہے۔

دُور تک پھیلے ہوئے صحرا، پیاسے صحرا، لب خشک ہیں، لیکن لب بند ہیں۔
عجب داستانیں ہیں۔ اہلِ دل حضرات صحرا کی یاد اور صحرا کی پیاس کے معنی جانتے ہیں۔
دشتِ وحشت اور دشتِ جنون خاموش ہیں، مکمل سکوت۔ سمندر خاموش ہے، گہرا ہے، بہت گہرا ہے۔ خاموش ہے، بہت خاموش ہے۔ بڑا راز، بڑا خاموش۔ سمندر میں طوفان ہیں، لہروں کا اِرتعاش بجا، لیکن سمندر خاموش ہے۔ بہت خاموش ہے!!!

خالق کی بات ہم اس لئے نہیں کر سکتے کہ وہ خالق ہے۔ اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے، وہ بولتا ہے اپنے محبوبوں سے، اپنے پیغمبروں سے اور یہ بولنا! عجب ہے۔ دنیا والوں کے لئے، دنیا کا بنانے والا خاموش ہے اور اس خاموشی کے باوجود اس کے تذکرے ہیں، اس کی باتیں ہیں۔ اس کے چرچے ہیں اس کی پسند اور ناپسند کے بیانات ہیں۔ وہ خاموش ہے۔

وہ سب سے بڑا جلوہ ہے۔ سب سے بڑا راز ہے اور سب سے زیادہ خاموش۔ اس سے بغاوت کرو، تو بھی خاموش، خاموشی کو پیدا کرنے والا خود خاموش ہے، فرشتے خاموش ہیں، جنات خاموش ہیں۔ لیکن انسان بولتا ہے اور مسلسل بولتا ہے۔ سچ نہ بول سکے تو جھوٹ بولتا ہے ابہام بولتا ہے، اپنی ستائش میں بولتا ہے۔ فطرت کے خلاف بولتا ہے، زندگی کے قرب کی باتیں کرتا ہے ہنگامے بولتا ہے، شاہی فرمان بولتا ہے، بغاوتیں بولتا ہے، کبھی بندہ ہوکر بولتا ہے، کبھی مولا ہوکر بولتا ہے۔ تنہائیوں میں بولتا ہے، کوئی سننے والا نہ ہو تو اپنے آپ سے بولتا ہے۔ خود سوال کرتا ہے اور خود ہی جواب بولتا ہے، خود ہی ثواب بولتا ہے اور خود ہی عذاب بولتا ہے۔ کبھی ماضی بولتا ہے، کبھی مستقبل۔

انسان دانائی بولتا ہے ۔حماقت بولتا ہے ۔خاموش نہیں ہوتا، اس لیے کہ خاموشی میں اسے اپنے روبرو ہونا پڑتا ہے اور وہ اپنے روبرو نہیں ہوتا ۔وہ جانتا ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا، لیکن یہ بات وہ کس طرح تسلیم کرے ۔وہ کیسے کہہ دے کہ وہ بیوقوف ہے ۔وہ نا آشنا ہے ۔اس کی ہستی کیا ہستی ہے ۔اس کی بات کیا بات ہے، وہ اپنی لاعلمی کا علم رکھتا ہے اور پھر بھی خاموش نہیں ہوتا ۔

وہ اپنی جہالت سے آگاہ ہے اور پھر بھی خاموش نہیں ہوتا ۔اسے خبر ہے کہ قبل از پیدائش، خاموشی کے زمانے ہیں اور مابعد خاموشی ہے ۔اس زندگی میں بھی خاموشی ہے وہ سب سمجھتا ہے لیکن خاموش ہونا، اس کے بس میں نہیں ۔اسے غم ملے، تو زمانے کو سناتا ہے ۔اسے خوشی ملے تو دنیا کو بتاتا ہے ۔اسے بولنے اور صرف بولنے کا شوق ہے اور اس کیلئے خاموشی اور صرف خاموشی ضروری ہے ۔انسان کو بولنے کا اس قدر شوق ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر آدمی دوسرے آدمی سے ہر وقت کچھ نہ کچھ کہہ رہا ہوتا ہے ۔الفاظ کے وسیع پھیلاؤ میں معانی مفقود ہوں' تو بھی انسان بولے چلا جاتا ہے اور بولتے بولتے وہ دن قریب آجاتا ہے، جب انسان کو محسوس ہوتا ہے کہ اس نے صرف جھوٹ بولا ہے ۔اس نے بے معنی الفاظ بولے اس نے بے وجہ آواز استعمال کی ۔اس نے اپنے اصل ساتھی سے کوئی بات نہ کی، کوئی بات نہ پوچھی ۔یہ ساتھ اس کا باطن ہے ۔خاموش ساتھی، خاموشی سے ملتا ہے ۔کاش! ہم کبھی خاموشی کے ساتھ اپنے روبرو ہوتے ۔

تہذیب وثقافت

(حکیم محمد سعیدؒ)

تہذیب' تمدن اور ثقافت کے الفاظ اس ذخیرے کا اہم ترین حصہ ہیں کہ جو عصر حاضر کے انسان نے تصوراتی ورثے کے طور پر پایا ہے۔ اسے وہ اسی قدر کثرت سے شب و روز کام میں لاتا ہے جتنی ان الفاظ سے متعلق اس میں کم فہمی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ان میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس کے معنی و مفہوم پر کلی اتفاق ہو۔ بایں ہمہ تہذیب' تمدن اور ثقافت کے تمام تصورات میں ایک قدر مشترک یہ گردانی جاسکتی ہے کہ تہذیب کا تعلق افکار و نظریات اور عقائد و اصول زندگی سے ہے' تمدن ان خارجی مظاہر کا نام ہے کہ جو انسان کے رہن سہن' بود و باش اور لباس و خوراک پر مشتمل ہیں اور ثقافت کا لفظ بالعموم تہذیب کے ہم معنی ہے اور اس سے علوم و فنون بھی مراد لیے جاتے ہیں۔ اس وضاحت و صراحت پر ایک وسیع تر اتفاق ضرور موجود ہے' لیکن اسے کوئی حتمی و کلی سند عطا نہیں کی جاسکتی۔ یہ بات بہر حال طے ہے کہ تہذیب وثقافت انسانی زندگی کیلئے اتنی ہی ناگزیر ہے جتنا سانس لازمی ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ تہذیب کے حصول میں افراد و تہذیب، دونوں کی درجہ بندی ممکن ہے، جبکہ سانس لینے میں طبقات کا کوئی پاس نہیں۔ علاوہ ازیں اس امر کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ تہذیب و تمدن میں خواہ کتنا ہی فرق تسلیم کر لیا جائے، ان کا باہمی انحصار بھی ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔ دونوں ایک دوسرے کیلئے سر بمہر اور مکمل طور پر جدا گانہ دائرے نہیں ہیں۔

تہذیب و ثقافت کی بنیاد افکار و نظریات پر ہے اور افکار و نظریات میں اہم ترین مقام اس مسئلے کو حاصل ہے کہ انسان کا مقصد حیات کیا ہے اور اس کا تعلق اس کائنات اور اس

کے خالق کے ساتھ کس نوعیت کا ہے؟ اس لیے اس مسئلے پر نقطۂ نظر اختلاف کی وجہ سے اور اس نقطۂ نظر کے مطابق تہذیب وثقافت کے مختلف نمونے پائے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے پوری تاریخِ تہذیب کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اس کا ایک حصہ وہ ہے جس کا سرچشمہ فکرو عمل کون ومکاں کے کسی خالق کے وجود کا کلی منکر ہے، اسے کفر کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا حصہ وہ ہے جس کی بنیاد اس خیال پر قائم ہے کہ انسان اور کائنات کا بنانے والا ضرور موجود ہے لیکن فرد اور معاشرے کی سرگرمیوں سے یا تو اسے کوئی واسطہ نہیں یا ان میں تنہا اس کا اختیار نہیں ہے' بلکہ اس کے کچھ حصے دار ہیں۔ اسے شرک کہا جاتا ہے۔ تاریخِ تہذیب کا تیسرا حصہ وہ ہے' جس پر فرماں روائی اس یقین وایمان کی ہے کہ انسان اور کائنات کی تخلیق ایک ایسی بالاتر ہستی کی رہینِ منت ہے کہ جو قادرِ مطلق' حکیم وبصیر اور مدبرِ کل ہے' جس نے ارض وسما کے وسائل اور ان پر قدرت حاصل کرسکنے والے انسان کو عبث پیدا نہیں کیا' جس نے انسان کو خلافت فی الارض کی خلعت سے نوازا، جس نے اس کی ہدایت کے لیے اس کے سینے میں ضمیر کی روشنی رکھی اور باہر انبیاء علیہم السلام اور کتبِ آسمانی کا وہ سلسلہ قائم کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن حکیم پر ختم ہوگیا' جس نے ترکِ دنیا اور رہبانیت کے بجائے نجات کا راستہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق بھرپور زندگی بسر کرنا قرار دیا' جس کے ذاتی وصفاتی اوصاف میں کوئی شریک نہیں' جس کے ہمہ جہتی اختیارات بے حد وحساب ہیں۔ اور جس نے دنیا کو آخرت کی کھیتی بنا کر آئندہ زندگی کے سامان اور حساب کتاب کی بنیاد ٹھہرایا۔ اس عقیدہ ایمان کا نام توحید ہے۔ پس ہمیں تاریخِ انسانی میں تہذیبِ کفر' تہذیبِ شرک اور تہذیبِ توحید کی تین بڑی بڑی اقسام سے واسطہ پیش آتا ہے۔

اسلام کی سراپا تہذیب کی یہ تیسری بڑی قسم یعنی تہذیبِ توحید ہے۔ توحید اسلامی تہذیب وثقافت کا تانا بانا ہی نہیں' بلکہ اس کی روحِ حیات بھی ہے۔ کوئی تہذیب اسی وقت اور

صرف اس حد تک اسلامی تہذیب ہوگی جب اور جتنی حد تک وہ توحید پر ایمان اور اس کے تقاضوں کی تکمیل سے سرشار ہوگی۔اس کے برعکس اس حقیقت کو بھی اتنی ہی وضاحت سے ذہن نشین کر لینا چاہیے۔کہ جو تہذیب جس حد تک ان اوصاف سے خالی ہوگی' وہ اسی حد تک کفر وشرک کے ارتکاب سے داغ دار پائی جائے گی' خواہ اس ارتکاب کے ذمے دار افراد اور معاشرے اپنے انحراف واعراض کی سرگرمیوں پر ریا کار تقدس کی کتنی ہی ملمع سازی کر ڈالیں۔ مخصوص رومالوں' رنگین عماموں اور دراز قباؤں کا اہتمام اگر توحید کے تقاضوں کی تکمیل کا عنوان ہو تو سونے پر سہاگا سمجھا جاسکتا ہے' لیکن اس اہتمام کو توحید کی دھجیاں اُڑانے کے لیے پردہ نہیں بنایا جاسکتا۔

اسلامی تہذیب وثقافت اگر توحید کی سچی روح پر قائم ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی تنہا حاکمیت وفرماں روائی کو ہمہ تن خراج عقیدت وعبدیت صرف عبادات و مذہبی رسومات ہی میں نہیں' بلکہ آئین وقانون سیاست واخلاق اور معیشت وتدبیر منزل میں بھی یکساں و بے لاگ احتیاط' لگن' محبت' احترام اور روفاداری کے ساتھ پیش کرتی ہے۔توحید کی بدولت انسانی تہذیب و ثقافت میں وہ بے مثال یک رنگی آتی ہے جسے قرآن حکیم نے اپنی زبان بلاغت میں صبغۃ اللہ کہا ہے۔اسی سے انسانی اخوت واحترام کا حقیقی جذبہ پیدا ہوتا ہے۔اسی سے رنگ' نسل' قوم' زبان اور وطن کے تعصّبات کے جدید ترین بت پاش پاش ہوتے ہیں۔اور اسی سے وہ بے نظیر عدل قائم ہوتا ہے کہ جو عدالت کے کٹہرے تک محدود نہیں' بلکہ پوری زندگی کو اپنا ہدف بناتا ہے اور معاشرے کے ایک ایک حصے کو اس سے شاداب کر دیتا ہے۔اسلامی تہذیب کو اگر صرف عدل کے زاویہ نگاہ ہی سے دیکھا جائے تو اس کے اصول وعمل کا ایسا مثالی منظر سامنے آتا ہے جس کی خوبیوں کا شمار ہی محال ہے۔وہ ہمہ پہلو عدل جس کے بابرکت اطلاق سے اسلام کے کھلے دشمنوں کو بھی محروم کرنے سے انتہائی سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے اور وہ بھی

اس کے سایہ رحمت کے یکساں حق دار ٹھہرائے گئے ہیں۔وہ عدل تاریخ انسانی کے اور کسی گوشے میں آپ کو نہیں ملتا۔

میں اسلامی تہذیب وثقافت کے خدوخال کا تذکرہ اس لیے نہیں کر رہا ہوں کہ وہ آج ہمارے گردوپیش یا کہیں اور آپ کو مل سکتے ہیں' بلکہ یہ ذکر خیر اس لیے کر رہا ہوں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں اس روشنی کی بالخصوص ضرورت ہے اور اقوام عالم پر اس کی شہادت دینے کی ذمے داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔آپ کو یاد ہو یا نہ یاد ہو' قیام پاکستان کی غرض و غایت اور ہماری جدوجہد آزادی کا نصب العین یہی تو تھا کہ ہم اسلامی تہذیب و ثقافت کے مطابق اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو استوار کریں گے اور پھر اس مینارۂ نور کی روشنی سے کرۂ ارض کی تاریکیوں کو ختم کردیں گے۔اس سحر سامری کا شکار ہونے کے بجائے کہ جو رقص وسرور کے طائفوں اور لہو ولعب کی طغیانی کو اسلامی ثقافت کا نام دیتا ہے' آپ مردانہ وار اٹھ کر اسلام کی منفرد تہذیب وثقافت سے محبت کا بیڑا اٹھایئے!!

دعائے مغفرت

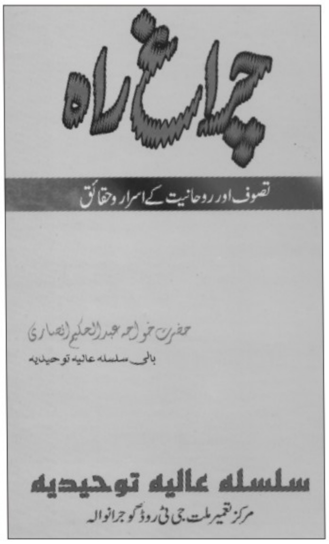
ڈسکہ سے عبدالرشید ساہی صاحب کی اہلیہ

گکھڑ سے بھائی رانا دلشاد کے بھائی رانا فیاض

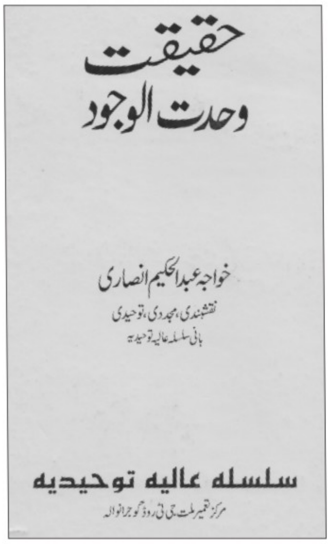
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ)

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

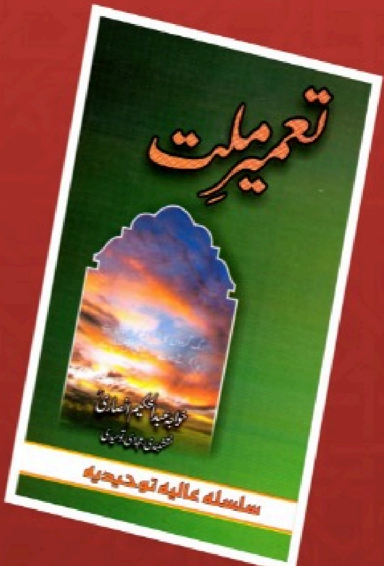


کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء ،علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com